Pakistanipoint
Waqar
Azeem

عمران سیریز ۱

عمران، ناصر اور پروفیسر ڈارک کا سنسنی خیز کارنامہ

فرام مصر وِد ڈیتھ

ایم اے راحت

ناشر

علیم پبلشرز قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور

آرتھر کراؤڈر جیسے باہمت آدمی کے لیے یہ قلمی کتاب ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ خطرناک مہمات کا شائق تھا اور نوجوانی کی زندگی سے لے کر اب تک اس نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے تھے کہ لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔

جوان وہ اب بھی تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اس وقت تک جوان رہے گا جب تک اس کی کوئی ناکامی اسے بوڑھا نہ ثابت کر دے۔ ویسے بھی اس کی عمر پچاس سال سے زائد نہ تھی لیکن اس کی کلائی کی ہڈی کی چوڑائی دیکھ کر ہی اچھے اچھے جوانوں کو پسینہ آ جاتا تھا۔ اس سے مصافحہ کرنے والے اس کی ہاتھ کی سختی محسوس کر کے فیصلہ کر لیتے تھے کہ اس شخص کی دشمنی کس قدر خطرناک ہو سکتی ہے۔ اپنے ساتھیوں اور واقف کاروں میں وہ گینڈے کے نام سے مشہور تھا۔ آرتھر نے زندگی میں کبھی کوئی ملازمت کوئی تجارت نہیں کی تھی لیکن وہ ملک کے مالدار ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے پاس بے شمار جواہرات اور قیمتی نوادرات تھے۔ یہ سب کچھ

اسے اپنے والدین یا خاندان کے کسی اور شخص سے ورثے میں نہیں ملا تھا۔ اس کے برعکس آرتھر کا باپ ایک معمولی ملاح تھا اور آرتھر کا بچپن انتہائی غربت کے عالم میں گذرا تھا۔

یہ سب کچھ اس نے اپنی قوت بازو سے حاصل کیا تھا۔ دفینے اور پُر اسرار خزانے تلاش کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اور نہ جانے کتنے خزانے اس کی تجوریوں میں محفوظ تھے۔

ملک کے جرائم پیشہ لوگ ان خزانوں کی کہانیاں سن کر دل گدگدی میں ضرور محسوس کرتے تھے لیکن ان کے حصول کے تصور سے کانپ جاتے تھے اور دل ہی دل میں خود کو ملامت کرتے۔

زندگی بہر حال ان خزانوں سے قیمتی تھی جان ہے تو جہان ہے اور آرتھر کے خزانوں پر ہاتھ ڈالنے سے کم از کم زندگی کی ضمانت ملنا مشکل تھی۔

اس لیے آج تک کسی جیالے نے اس کی عالیشان کوٹھی میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کی تھی اور یہ بات آرتھر کے لئے بھی سکون بخش تھی۔ پولیس کے ریکارڈ میں وہ ایک شریف اور معزز آدمی تھا۔

موجودہ کتاب اس کے دوست نے اسے لا کر دی تھی۔ اس کے دوست کو یہ کتاب ایک کباڑیے کی دوکان سے دستیاب ہوئی تھی۔ کتاب کا نام تھا "سمندر کے نوادرات" اس کتاب کا مصنف ایک مشہور سیاح تھا جس نے بے شمار سفر کیے تھے اور جہات کا شہنشاہ کہلاتا تھا۔ خود کراؤڈر سے اس سے بے پناہ عقیدت رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کی تحریر کو

مستند نہ سمجھنا کم از کم کراوزے کے لیے ناممکن تھا۔

پچھلے تین دن سے وہ اس کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ یوں تو پوری کتاب ہی اپنے اندر بے شمار دلچسپیاں رکھتی تھی لیکن کراوزے کو اس کے جس حصے نے سب سے زیادہ متاثر کیا تھا۔ وہ سمندر کے اندر پوشیدہ ایک خاص خزانے کا تذکرہ تھا۔

یہ خزانہ مصر کی خرفی ملکہ قلوپطرہ کا خزانہ تھا۔ قلوپطرہ اس عظیم الشان خزانے کو خفیہ طور پر کہیں منتقل کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے معتبروں کے ساتھ ایک شاہی جہاز میں یہ خزانہ کسی نامعلوم جگہ بھیج دیا جہاز اپنا سفر طے کر رہا تھا کہ اسے طوفان نے آلیا اور وہ غرق ہو گیا۔

جس سیاح نے یہ کتاب لکھی تھی اسے اس خزانے کی تفصیلات چمڑے کی ایک دستاویز پر ملی تھی۔ جو قدیم مصری زبان میں قلوپطرہ نے ایک معمر کے لیے لکھی۔ جس کے سپرد اس خزانے کی حفاظت کی گئی تھی۔ سیاح نے اس خزانے سے اپنی دلچسپی کا اظہار ضرور کیا تھا۔ لیکن وہ اسے حاصل کرنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ چنانچہ اس نے دعوت عام دی تھی کہ جو جیالا چاہے اسے حاصل کرے۔

اس لحاظ سے یہ کتاب کراوزے کے لیے چیلنج تھی۔

سمندر کے اس حصے کے مکمل نقشے موجود تھے۔ چنانچہ چوتھے دن کراوزے نے فیصلہ کر لیا۔ کہ وہ اس پراسرار خزانے کو ضرور تلاش کر لے گا بلاشبہ اسے زندگی گذارنے کے لیے اب کسی چیز کی ضرورت

نہیں تھی۔ اس کے پاس اتنا کچھ موجود تھا کہ وہ کیا بلکہ اس کی کئی پشتیں اعلیٰ زندگی بسر کر سکتی تھیں۔

لیکن یہ سب کچھ دولت کے حصول یا زندگی گذارنے کے لیے تو نہیں تھا۔ اسے تو دفینوں اور خزانوں کا شوق تھا۔ قلوپطرہ کے خزانے میں کیا کچھ نہ ہوگا۔"

اور یہ سب کچھ کراوزے کے لیے بہت دلکش تھا۔

پچاس سالہ کراوزے نوجوانوں کی سی سوچ رکھتا تھا۔ اس کے ذہن نے اس مہم کے لیے اپنے ساتھیوں کا انتخاب کیا۔ اور ایک فہرست تیار کر کے مطمئن ہو گیا۔ سب سے پہلے اسے پروفیسر ٹامس سے ملنا تھا ٹامس بھی اسی کا ہم عمر تھا۔ اس کی طرح فارغ البال اور مہمات کا دلدادہ چند معاملات میں ٹامس اس کا بھی استاد تھا۔ بے پناہ مطالعے نے اسے بے پناہ صلاحیتیں بخش دی تھیں۔ کسی بھی سلسلے میں فوری طور پر سوچنے اور کارروائی کرنے میں وہ اپنی مثال آپ تھا۔ کراوزے کو بے حد پسند کرتا تھا۔ اور اس کے ساتھ بیشتر مہمات میں شریک رہا تھا۔

چنانچہ کراوزے کی چمچماتی کار سڑکوں پر دوڑتی ہوئی ٹامس کی خوبصورت کوٹھی کے آہنی دروازے پر پہنچ گئی جس پر دو قد آدم شیر پہرہ دے رہے تھے۔

سفید وردی میں ملبوس چوکیدار نے بندوق کی نالی نیچی کر کے اسے سلامی دی اور شیر کی دم مروڑ دی جس سے دروازہ جلترنگ کی آواز پیدا

کرتا ہوا کھل گیا۔

ڈرائیور نے کار اندر داخل کر کے پورچ میں روک دی اور پھرتی سے نیچے اتر کر دروازہ کھول دیا۔ کراوزے نیچے اتر آیا۔ اس عمارت میں داخلے کے لیے کسی تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔ حالانکہ ٹامس رکھ رکھاؤ کا عادی تھا۔ لیکن یہ عادت بے تکلف دوستوں کے لیے نہیں تھی۔

ڈرائینگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کراوزے نے ایک ملازم سے کہا۔

مسٹر ٹامس کو ڈرائینگ روم میں بھیج دو۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔ ملازم اس کی پوری بات سننے سے قبل ہی اندر دوڑ گیا۔ اور کراوزے مسکراتا ہوا ڈرائینگ روم میں داخل ہو گیا۔ ایک خوبصورت اور آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر اس نے دونوں پاؤں پھیلا دیے۔ اور اپنی پسندیدہ تصویر دیکھنے لگا جو اس صوفے کے عین سامنے تھی۔ اس تصویر میں ایک آکٹوپس نے ایک بڑی مچھلی کو اپنی سونڈوں میں جکڑا ہوا تھا

آکٹوپس کی آنکھوں کی شیطانی چمک اور مچھلی کے غیظ آمیز بوکھلاہٹ تصویر کی جان تھی۔ ہر لمحے ایسا لگتا تھا جیسے مچھلی ابھی پوری قوت سے تڑپے گی اور تصویر کا سمندر کمرے میں رینگ آئے گا۔

چند لمحات گذرے تھے کہ کمرے کا خودکار دروازہ زور سے کھلا اور ٹامس کا بڑی مونچھوں والا چہرہ مسکراتا اندر گھس آیا۔

"ہیلو گینڈے۔ پورے تین ماہ بعد تم سے ملاقات ہو رہی ہے

اس نے بے تکلفی سے کہا اور لپک کر کراوزے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کراوزے نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ کو دو تین جھٹکے دیے جس سے ٹامس کی مسکراہٹ میں کمی واقع ہو گئی۔

اس نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے ایک صوفے کا سہارا لیا اور کراہتے ہوئے بولا۔

"کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ ان ہاتھوں سے ابھی مجھے بہت سے کام کرنے ہیں اس لیے تم انہیں توڑنے کی کوشش نہ کیا کرو۔"

کراوزے نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا اور بولا "اور میں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ تم نسوانی انداز میں کراہنا چھوڑ دو۔ ورنہ کسی دن تمہارا بازو شانے سے الگ کر دوں گا!"

"وعدہ ـــ" ٹامس نے جلدی سے کہا اور پھر صوفے پر لگی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ باوردی ملازم اندر داخل ہو گیا۔

تمہارے رات والے تجربے سے میں بہت مطمئن ہوں اور اس وقت بھی وہی کاک ٹیل پینے کا خواہشمند ہوں میرا دوست کراوزے بھی کیا یاد کرے گا۔ کہ میرے یہاں کیسے کیسے کاک ٹیل ایکسپرٹ موجود ہیں۔

ملازم نے ادب سے گردن جھکائی اور باہر نکل گیا۔

"تو آج کل کاک ٹیل بنانے کے تجربات کر رہے ہو۔؟ کراوزے نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

"میں نہیں میرے ملازمین میرے لیے تجربات کرتے رہتے ہیں۔

بلاشبہ رات کو اس شخص نے ایک شاندار کارنامہ انجام دیا ہے۔ ڈچر آف مارکوس تو اس فارمولے کو معلوم کرنے کے لیے بے چین تھیں۔

"خوب! وہ محترمہ اب بھی تمہارے گرد چکراتی رہتی ہیں۔

"سو جوانوں کا ایک جوان ہوں۔ کیا سمجھتے ہو" ٹامس نے اکڑتے ہوئے کہا۔ اور دونوں دوست ہنسنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ملازم ایک ٹرالی دھکیل کر اندر لے آیا۔ ایک خوبصورت جگ میں کاسنی رنگ کی کاک ٹیل موجود تھی جو نہ جانے کتنی شرابوں کو ملا کر بنائی گئی تھی۔ شراب کے علاوہ لوازمات بھی موجود تھے۔ جنہیں ملازم نے سلیقے سے ان کے سامنے سجا دیا۔ اور باہر نکل گیا۔ جام بھرے ٹکرائے اور ہونٹوں سے چپک گئے۔

کراوزے نے خلوص دل سے کاک ٹیل کی تعریف کی اور پھر مطلب پر آ گیا۔

"ڈچر آف مارکوس کی تم سے دلچسپی یہ بات تو ثابت نہیں کرتی کہ تم بڑھاپے کی طرف تو نہیں جا رہے ہو۔" اس نے شراب کا ایک بڑا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا آج تم میری توہین کرنے کا پروگرام بنا کر آئے ہو۔" ٹامس نے غصیلے انداز میں گلاس کی تمام شراب حلق میں انڈیل کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" اطمینان سے بولا۔

"کیوں۔؟"

"اس لیے کہ تم بوڑھوں کے انداز میں گھر میں گھس کر بیٹھنے کے عادی ہو گئے ہو"

"پھر کیا کروں۔ کہاں جاؤں تمہارا انداز بھی تو مجھ سے مختلف نہیں ہے۔ کیا تم کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دے سکے۔"

"بے شک نہیں لیکن میں تک و دو میں ضرور رہتا ہوں اور جس وقت بھی کوئی دلچسپ خبر میرے کانوں میں پہنچ جاتی فوراً کام شروع کرتا ہوں۔"

"خوب تو کیا تمہارے خیال میں میں مکھیاں مارتا رہتا ہوں۔" پروفیسر ٹامس نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے اور کراوزے کے گلاس میں شراب انڈیل دی۔

"چلو تسلیم۔ لیکن تم نے اب تک کیا کیا۔؟" کراوزے دلچسپ انداز میں بات آگے بڑھا رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔ اور تم نے میرے دوست۔؟" ٹامس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ کراوزے نے بڑے سکون سے اپنا گلاس اٹھایا اور اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ پینے لگا۔ اس دوران ٹامس کے چہرے پر فتحمندی کی مسکراہٹ پھیل گئی وہ سمجھ رہا تھا کہ کراوزے اپنی لاجوابی کو شراب کی آڑ میں چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

کراوزے نے پورے سکون سے اپنی شراب ختم کی اور گلاس کا پیندا تک صاف کرنے کے بعد بولا۔

"ہاں۔؟"

کیا مطلب؟ پروفیسر ٹامس نے جلدی سے اپنا گلاس نیچے رکھ دیا "ایمنزا کے قریب جزیرے کلاٹو سے چونسٹھ میل دور سمندر کے نیچے

مادام قلوپطرہ نے ہمارے لیے ایک تحفہ چھپا رکھا ہے۔ مصر کا وہ خفیہ خزانہ جسے قلوپطرہ اپنے محل میں محفوظ نہیں سمجھتی تھی یقیناً ایسی چیز ہوگی جس کے حصول کے بغیر ہماری زندگی نامکمل ہے۔

"اوہ۔ اوہ مگر کیا تم نے اس خزانے کو خواب میں دیکھا تھا ——!" پروفیسر ٹامس نے اپنا اضطراب مزاح کے آڑ میں چھپانے کی کوشش کی۔

"میں نے تو نہیں البتہ اگر ڈاکٹر سالس اینیبز نے اسے خواب میں دیکھا ہو تو نہیں کہہ سکتا!"

"کیا بکواس ہے۔ آج تم مجھے کیوں زچ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ صاف بات کرو میرے دوست شراب کا دوسرا جام تمہیں اس وقت ملے گا جب تم اس بارے مکمل تفصیل بتا دو گے!" ٹامس نے جگ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر پیچھے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"اوہ — اس عمدہ شراب کے لیے میں کوئی جھگڑا مول لینے سے دریغ کروں گا جگ ادھر رکھ دو اور تم اس کتاب کا وہ حصہ کھول کر پڑھ ڈالو جسے میں نے کلپ کر دیا ہے۔"

کراؤزے نے جیب سے کتاب نکال کر پروفیسر ٹامس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اور ٹامس نے جگ جلدی سے میز پر رکھ کر اس کے ہاتھ سے کتاب جھپٹ لی سرخ جلد کی دستی کتاب کو کھول کر وہ اس کے کلپ کیے ہوئے کاغذ درست کرنے لگا اور کراؤزے اطمینان سے جگ خالی کرتا رہا پھر اس نے اس وقت ٹامس کی طرف دیکھا جب ٹامس نے کتاب بند

کر کے میز پر رکھی ۔ ۔ ۔ جبکہ ایسی دوسری بہت سی خفیہ کتابیں سیاحوں کی رہنمائی کر چکی ہیں ۔ بہر صورت اسے چھوڑو ۔ تم نے اس بارے میں کیا پروگرام بنایا ۔

پروفیسر ٹامس کے بغیر میں نے آج تک کون سا پروگرام بنایا ہے تم میرے دوست ٹامس کی توہین نہیں کر سکتے ۔ کراوزے نے دلچسپ انداز میں کہا ۔"

"واہ ۔ مجھے تمہاری دوستی پر ناز ہے کراوزے ۔ بلاشبہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر ناکارہ ہیں ۔ تو پھر اب مادام قلوپطرہ کے خزانے کو یہاں تک بحفاظت لانے کا فیصلہ کیا ہے ۔ ؟

یہ آپ کے اوپر منحصر ہے پروفیسر ٹامس کے علاوہ اور کون کون تمہارے ساتھ ہوگا ۔ ؟ ٹامس نے پوچھا ۔

اس کے لیے بھی میں نے ایک فہرست تیار کی ہے ۔ لیکن تم اس پر نظر ثانی کر سکتے ہو ۔ اس میں سے کوئی نام نکالنے اور دوسرا نام شامل کرنے کی تمہیں مکمل اجازت ہے ۔"

پروفیسر ٹامس نے فہرست کا کاغذ کراوزے کے ہاتھ سے لے لیا ۔ اور اسے بغور دیکھنے لگا ۔

کئی منٹ تک کاغذ کا جائزہ لینے کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی اور پر اطمینان انداز میں بولا ۔ مجھے یقین تھا کہ تم نے عمدہ لوگوں کا انتخاب کیا ہوگا اور بلاشبہ یہ لوگ قابل اعتماد اور دلیر ہیں اس قسم کی مہم کے لیے ایسے ہی لوگوں کی ضرورت تھی ۔ بہر حال اب

دوسرے مسائل رہ جاتے ہیں۔ مثلاً کسی ایسے چھوٹے جہاز کا بندوبست
میرا خیال ہے تم اس بارے میں اپنے دوست اولیون سے مدد لو گے
اس کی کمپنی کے چھوٹے جہاز ہمارے معیار پر پورے اترتے ہیں۔
"یہ سب کچھ میں کر لوں گا تم ان لوگوں کو اکٹھا کرنے اور کاروباری
معاملات طے کرنے کا پروگرام سنبھال لو۔ اور اب مجھے اجازت
دو۔ یوں بھی تمہارے جگ کی کاک ٹیل ختم ہو چکی ہے!" کراؤزے
نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور پروفیسر ٹامس بھی مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا
"ا"

غوطہ خوری کے جدید ترین لباس میں ملبوس چھ غوطہ خور آج آٹھویں
بار سمندر کی تہہ میں اتر گئے۔ انہیں میں پروفیسر ٹامس اور آرتھر کراؤزے
بھی تھے۔

یہ دونوں بھی ماہر غوطہ خور تھے اور اس سے قبل دنیا کے بہت
سے خطرناک سمندروں کی تہہ کھنگال چکے تھے۔

دوسری مہمات میں انہیں اس قدر مایوسی نہیں ہوئی تھی جتنی قلوپطرہ
کے خزانے کی تلاش میں۔ اگر سالس اینڈبر ایک قابل اعتماد سیاح

نہ ہوتا اور اس کی پہلی اطلاعات درست نہ ہوتیں تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہوتے کہ اس خزانے کی باتیں ایک مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں اور وہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر بے وقوف بنے ہیں

لیکن یہ سالس اینبز کی تحریروں کی ساکھ ہی تھی کہ آج آخری بار وہ سمندر میں اترے تھے اس موہوم امید کے ساتھ کہ شاید پہلی بار وہ اس حصے کی اچھی طرح تلاشی نہ لے سکے ہوں۔ حالانکہ ایسی بات نہیں تھی۔ پہلی بار جب وہ اس حصے میں اترے تھے تو ان کی ہمت جوان تھی اور صلاحیتیں بیدار لیکن وہاں انہیں کسی غرقاب شدہ جہاز کے نشانات تک نہ ملے تھے پورے دن کی سخت تلاش کے باوجود انہیں کچھ نہ ملا تو ان کے دلوں میں ہلکی سی مایوسی پیدا ہو گئی۔

واپس جہاز پر پہنچ کر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ شاید وہ صحیح جگہ کا تعین نہیں کر سکے ہیں۔ چنانچہ اس بار اس علاقے سے کچھ ہٹ کر خزانے کی تلاش شروع کی گئی۔

لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

ابھی ہمت باقی تھی اس لیے زیادہ مایوسی نہ ہوئی اور تیسری بار تمام غوطہ خور مختلف سمتوں میں نکل گئے۔ سمندر کی گہرائیوں میں تنہا سفر بے حد خطرناک تھا۔ لیکن وہ خطرات سے بے نیاز اپنے کام کی دھن میں مست تھے۔ شام کو جب تھکن سے نڈھال وہ سب اوپر پہنچے تو سب نے ایک ہی کہانی سنائی۔ یعنی مایوسی کی کہانی ——

اور اس کی تیسری ناکامی نے انہیں اداس کر دیا۔ ایسا لگتا ہے کراوزے کہ سمندر کی تہہ کے کسی طوفان نے خزانے کو یہاں سے کہیں اور دھکیل دیا ہے۔ کیوں نہ ہم کوشش جاری رکھیں اور اس علاقے سے ذرا آگے بڑھ جائیں۔ اب یہاں تک سفر کیا ہے تو تھوڑی سی تکلیف اور سہی۔ کراوزے اور دوسرے لوگ بھی اس بات کے لیے تیار ہو گئے اور جہاز کو وہاں سے آگے بڑھا دیا گیا۔ لیکن یہ حماقت تھی۔ سمندر اتنا طویل تھا کہ پوری زندگی میں اس کا معمولی حصہ بھی تلاش نہیں کر سکتے تھے۔

ساتویں بار غوطہ خوری کے بعد ان کے ساتھیوں نے بھی سمندر میں مزید اترنے سے انکار کر دیا۔ بے مقصد غوطہ خوری سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ قریب و جوار کا پورا سمندر چھان مارا گیا تھا۔ لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ملی تھی۔ جس پر قلوپطرہ کے جہاز کا شبہ ہو سکتا تھا۔

اب وہ لوگ کہہ بھی کیا سکتے تھے۔ چنانچہ ناکامی کا اعتراف کر لیا گیا سب لوگ اداس تھے۔

"ممکن ہے ہم سے پہلے بھی کسی کی نظر اس کتاب پر پڑ گئی ہو۔ اور اس نے وہ خزانہ حاصل کر لیا ہو۔

"ٹامس نے کہا تھا۔!"

"ممکن ہے!" کراوزے نے منہ لٹکاتے ہوئے کہا تھا۔

"اداسی کیسی میرے دوست، وہ خزانہ ہمارا شوق تھا ضرورت نہیں اسی بہانے یہاں تک سیر ہو گئی، رہ گئے یہ دوسرے لوگ تو انہیں معاوضہ

سے مطلب ہے۔ انہیں طے شدہ معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔

سالس اینبز کی بات پر بھروسہ نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ کتاب کباڑیے کے پاس آنے سے قبل کسی اور کے ہاتھ لگی ہو اور وہ پہلے ہی اپنا کام کر چکا ہو۔ اکراوزے نے اس بات پر توجہ دیئے بغیر کہا۔

"ہاں۔ ہو سکتا ہے۔ آخر کتاب کسی نہ کسی ذریعے تو کباڑیے تک آئی ہی ہو گی۔!"

"پھر اب کیا پروگرام ہے، مسٹر ٹامس؟"

"واپسی۔"

"میں آخری بار سمندر کی تہہ کا جائزہ اور لینا چاہتا ہوں۔"

"وہ کس خوشی میں۔؟ میرا مطلب ہے اب ایسی کون سی جگہ ہے جسے تم دیکھنا چاہتے ہو۔؟"

"بس یہ میری خواہش ہے۔ اگر دوسرے لوگ تیار نہ ہوئے تو یہ کام میں تنہا کروں گا۔"

"گو تمہاری یہ خواہش پاگل پن کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے تاہم میں تمہارا ساتھ دوں گا!" ٹامس نے کہا۔

اور دوسری صبح جب کراوزے غوطہ خوری کا لباس پہن کر اپنے کیبن سے باہر نکلا تو اس کے سامنے پانچ غوطہ خور کھڑے تھے۔ جن میں ایک ٹامس تھا۔ اس نے کسی نہ کسی طرح دوسرے لوگوں کو بھی سمندر میں اترنے کے لیے

تیار کر لیا تھا۔

اور یہ آٹھویں غوطہ خوری تھی۔ وہ سب سمندر کی تہہ میں پہنچ چکے تھے۔ لجلجی گھاس کے سبزہ زار چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ نیچے کی فضا شفاف تھی۔ تمام چیزیں آنکھوں کے سامنے نمایاں تھیں۔ مچھلیوں کے غول محو گلگشت تھے۔ گھونگے کروٹیں بدل رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی بڑی مچھلی کی آمد ماحول کے سکون کو درہم برہم کر دیتی۔ چھوٹی مچھلیاں جان بچانے کے لیے تیر کی طرح دوڑتیں اور دور نکل جاتیں۔ اگر قدرت انہیں یہ تیزی یہ پھرتی نہ بخشتی تو شاید ان کی زندگی محال ہوتی اور اس طرح سمندر اس خوشنما مخلوق سے محروم ہو جاتا۔!

وہ سب آگے بڑھتے رہے!

کراوزے کی نظر تہہ کے ایک ایک پتھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی امید تھی۔ ایک انوکھا خواب۔ وہ بہت سست رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک ایک پتھر کو وہ بڑی احتیاط سے چھوتا اور آگے بڑھ جاتا۔!

اور۔ وہ پتھر ہی تھا۔ یقیناً پتھر۔ جو اوپر سے نوکیلا تھا۔ کراوزے نے اس پتھر کو چھوا اور آگے بڑھ گیا۔ لیکن چند گز دور نکل کر وہ رک گیا۔ یہ نوکیلا پتھر تمام پتھروں سے کچھ مختلف تھا۔ اس کے اندر پانی کی خراش کے وہ نشانات نہیں تھے جو دوسرے پتھروں میں ہوتے تھے۔!

آخر کیوں۔؟ اور اس کیوں کے جواب کے لیے وہ پھر پلٹ پڑا ٹامس اس سے تھوڑی دور پر تھا۔ اسے پلٹتے دیکھ کر وہ بھی پلٹا اور

اس کے نزدیک پہنچ گیا ۔!

"کیا بات ہے ۔؟" اس نے منہ کے نزدیک لگے ہوئے آلے میں پوچھا جس کے ذریعے اس کی آواز کراوزے کے کانوں تک پہنچ سکتی تھی۔

"اس پتھر کو دیکھ رہے ہو ۔!" کراوزے نے کہا اور ٹامس بھی اس نوکیلے پتھر کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے پشت کے بیگ میں لٹکے ہوئے بیگ سے مضبوط اسٹیل کی کدال نکالی اور اسے مضبوطی سے پکڑ کر پتھر پر چوٹ لگائی ۔!

اگر پتھر ہوتا تو کدال کی نوک کچھ نہ کچھ کام کرتی۔ لیکن کدال اسی پر سے اچٹ گئی ۔!

"یہ پتھر نہیں ہے!" ٹامس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"نہیں ہے نا۔ پھر کیا ہو سکتا ہے ۔!" کراوزے نے مضطربانہ انداز میں بولا۔ اور ٹامس نے دوسرے لوگوں کو آواز دی۔ چند لمحات کے بعد سب ایک جگہ جمع ہو گئے۔ غور سے دیکھنے پر کچھ عجیب سے نشانات نظر آئے۔ جیسے اس پتھر کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہو۔ نہ جانے کیوں کراوزے اور ٹامس بہت زیادہ پرامید ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس جگہ ایک نشان لگایا گیا۔ اور تمام غوطہ خور کدالوں سے ان نشانات پر کھدائی کرنے لگے سمندر کے نیچے کی زمین زیادہ سخت نہ ثابت ہوئی۔ اور پھر وہ زمین تھی ہی کہاں۔ وہ تو باریک ذرات تھے جو اس فولادی شے کے گرد جمع ہو کر اسے ڈھکنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

چھ گھنٹے کی سخت محنت کے بعد وہ فولاد کے اس سیاہ ڈھانچے کو اوپر سے صاف کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اب وہ ڈھانچہ بالکل ٹھیک نظر آ رہا تھا

لیکن اس کی حیثیت دیکھ کر وہ سب انگشت بدنداں رہ گئے "قلوپطرہ کے زمانے میں آبدوزیں ایجاد نہیں ہوئی تھیں جو اپنا خزانہ کسی آبدوز کے ذریعے کہیں منتقل کرتی ۔! اس کا مطلب ہے کہ یہ خزانے والا جہاز نہیں ہے! پھر یہ جدید ترین آبدوز کہاں سے آئی!"

"یہ ہماری مطلوبہ شے نہیں ہے۔ کراؤزے خزانے کی تلاش ترک کرو اور مجھے بتاؤ کہ کیا تم اس آبدوز میں دلچسپی لے سکتے ہو۔!"

"کیوں ۔ کیا یہ ہمارے لیے پرکشش نہیں ہے۔ کراؤزے نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

"بے شک ہے۔ سمندر کے اس ویران حصے میں اس پراسرار اور جدید ترین آبدوز کا ملنا دلچسپ اور حیرت ناک ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم اسے کھولنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔! آؤ دیکھیں ممکن ہے کوئی دلچسپ راز ہمارا انتظار کر رہا ہو۔!" اور وہ سب آبدوز کے اوپری حصے کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ جدید دور کے لوگ تھے ان چیزوں سے پوری طرح واقف چنانچہ آبدوز کے داخلی حصے کو تلاش کرنے میں ایسی کوئی دقت نہیں ہوئی۔

اندر داخل ہونے کا دروازہ تلاش کرنے اور کھولنے میں کافی قوت

صرف کرنی پڑی۔ اور سب سے پہلے نیچے اترنے والا کراوزے تھا۔ ٹامس اس کے فوراً بعد اتر آیا۔ یہاں انہیں پانی میں استعمال ہونے والی ٹارچیں روشن کرنا پڑیں تھیں۔ کیونکہ تاریکی تھی۔

ٹارچوں کی روشنی میں وہ اس چھوٹے سے کیبن کا جائزہ لینے لگے جو جدید اشیاء سے آراستہ تھا۔ ٹامس ایک ایک حصے کا بغور جائزہ لینے لگا۔ پھر وہ پراسرار آواز میں بولا۔ تم یہ لیور دیکھ رہے ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ ننھے ننھے سوراخ۔ میرا خیال ہے اسے دبانے کے بعد آبدوز میں پانی نہیں رہے گا۔ اور پانی باہر نکالنے کے بعد آبدوز کے اندرونی حصے میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔

ہم اس کے نچلے حصے میں چلیں گے! کراوزے نے جواب دیا۔

ضرور ٹامس نے بھی اسی جذبے سے کہا اور پھر منہ کے سامنے لگے ہوئے آلے میں دوسروں سے بھی نیچے آنے کی درخواست کرنے لگا۔ چند لمحات میں سب اس کیبن میں پہنچ گئے۔ تب ٹامس نے اس لیور پر زور آزمائی کی اور لیور آسانی سے گھوم گیا۔

اس کے ساتھ ہی وہ آٹومیٹک ڈھکن اپنی جگہ فٹ ہو گیا۔ جو داخلی دروازہ پر تھا اور پھر زبردست دباؤ کے ساتھ پانی باہر نکلنے لگا۔ تیز سرسراہٹ کے ساتھ کیبن پانی سے خالی ہوتا جا رہا تھا اور صرف چند لمحات کے بعد وہ ایک خشک جگہ کھڑے تھے۔

اب ٹامس کی ٹارچ کیبن کا دوسرا رخ تلاش کر رہی تھی۔ دوسرے

لوگوں کو روشنی کے چھوٹے سے دائرے کی گردش کے ساتھ ہلکی ہلکی کھٹ پٹ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

اور پھر اچانک انہیں اپنے پیروں کے نیچے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی وہ سب اچھل پڑے۔ لیکن کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش ناکام رہی اور صرف ایک لمحے میں وہ ایک طویل سرنگ میں کھڑے تھے کیبن کا فرش انہیں کسی لفٹ کی طرح نیچے لے آیا تھا۔"

سب لوگ اس فرش سے اتر آئے اور آخری آدمی کے اترتے ہی فرش بلند ہو کر اپنی جگہ پہنچ گیا۔"

"حیرت انگیز۔ سب کچھ حیرت انگیز۔ یقیناً ہم اس آبدوز کے اندرونی حصے میں کھڑے ہیں۔ کراوزے نے کہا اور پھر وہ آبدوز کا جائزہ لینے لگا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اپنی ٹارچیں روشن کر لی تھیں اور سرنگ میں کافی روشنی پھیل گئی۔

وہ اس کی دیواروں کا جائزہ لے رہے تھے آبدوز میں زبردست ٹوٹ پھوٹ کے آثار نمایاں تھے۔ غالباً اسے کوئی خوفناک حادثہ پیش آیا تھا۔

ٹامس اور کراوزے کی نظریں بھٹکتی رہیں اور پھر اس کی نگاہ کچھ ٹوٹے ہوئے تاروں پر پڑی۔ یقیناً وہ الیکٹرک تار تھے۔

"کراوزے!" اس نے آہستہ سے کراوزے کو آواز دی۔

"ہوں۔!" کراوزے ماحول کے سحر سے آزاد ہو گیا۔

"ذرا ٹارچ روشن کر کے میری مدد کرو۔ میں ان تاروں کو جوڑنا چاہتا ہوں ممکن ہے میں روشنی کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

کراوزے نے بلایا اور دونوں اس طرف بڑھ گئے۔ ٹامس الیکٹرک بورڈ پر جھک گیا اور کراوزے اسے روشنی دکھانے لگا۔ بوڑھے ٹامس کی یہی صفت کارآمد تھی۔ وہ ہر کام میں تھوڑی بہت واقفیت رکھتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ پوری طرح کامیاب رہا اور اچانک ان سب کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔

آبدوز میں تیز روشنی پھیل گئی تھی۔

وہ سب حیرت سے اس آبدوز سے دیکھنے لگے۔ آبدوز کے انتہائی سرے پر جو شاید پچھلا حصہ تھا وہ چھوٹے چھوٹے کیبن نظر آ رہے تھے، جو ٹوٹے ہوئے تھے۔ تاہم ان دروازوں کے اندر داخل ہوا جا سکتا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ ان کیبنوں میں اس آبدوز کے مالکوں کی لاشیں ہوں گی۔" کراوزے نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"آؤ۔" کراوزے نے آگے قدم بڑھا دیئے اور وہ کشاں کشاں ان کیبنوں کی طرف بڑھنے لگے۔

دوسرے لوگوں نے ان لوگوں کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ چند لمحات کے بعد وہ ایک کیبن کے دروازے پر پہنچ گئے۔

کراوزے نے ٹامس کی طرف دیکھا اور پھر جھک کر کیبن کے ٹوٹے

دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر بھی باہر کی طرح روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس روشنی میں کراوزے نے جو کچھ دیکھا اس نے اس کے قدم جما دیئے وہ اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا رہ گیا۔ اس کی نظریں کیبن کے سامنے والی دیوار پر جمی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی۔

کیا بات ہے باہر سے ٹامس نے پوچھا اور کراوزے سے کوئی جواب نہ ملنے پر وہ بھی اندر داخل ہو گیا۔ اس کی حالت بھی کراوزے سے مختلف نہ ہوئی تھی۔

کیبن کی حالت بھی آبدوز کے دوسرے حصوں سے مختلف نہیں تھی وہاں بھی زبردست ٹوٹ پھوٹ کے آثار پھیلے ہوئے تھے۔ کیبن کے چاروں طرف کی دیواروں میں عجیب و غریب مشینری لگی ہوئی تھی بے شمار ڈائل اور لیور — ایک چوکور شیشے سے ہلکے اودے رنگ کی شعاعیں خارج ہو رہی تھیں۔ اور ان شعاعوں کے عین سامنے تین انسان موجود تھے

وہاں۔ تین انسان۔ جو بظاہر زندہ معلوم ہوتے تھے۔ لیکن ان کی آنکھوں کی چمک معدوم تھی منہ بھیانک انداز میں کھلے ہوئے تھے۔ اور وہ کیبن کی دیوار سے لگے ہوئے اوندھے سیدھے انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اودے رنگ کی شعاعوں نے ان کی رنگت بھی اودی سی کر دی تھی۔

کئی منٹ تک وہ ان ساکت انسانوں کو دیکھتے رہے اور پھر ٹامس ہی سنبھلا۔ اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"کراوزے۔ میرے خیال میں یہ لوگ زندہ نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب ۔۔۔؟" کراوزے پھسپھسے لہجے میں بولا۔

"یہ سب مردہ ہیں۔!"

"ہم۔ مگر ۔۔۔" کراوزے ہکلایا۔

"ہاں۔ تمہاری حیرانی درست ہے۔ اس سے قبل ایسے حیرت انگیز مردے نہیں دیکھے گئے ہوں گے۔ لیکن غور کرو میرے دوست، آبدوز حال میں نہیں غرق ہوئی تھی۔ اس کا اندازہ تم نے اس کے گرد چھائی ہوئی مٹی سے لگا لیا ہوگا۔ یہ لوگ جیسے بیٹھے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اسی وقت اس طرح یہاں بیٹھے ہیں جب آبدوز غرق ہوئی ہوگی۔ ایسی شکل میں انہیں زندہ کیسے کیا جا سکتا ہے!"

"مگر ان کے جسم ۔۔۔؟" کراوزے ہکلایا۔

"تم بھول رہے ہو کراوزے۔ یہ سمندر کے نیچے ہیں۔ ہر قسم کی ہوا سے محفوظ۔ ہوا ہی جسموں کو گلاتی اور سڑاتی ہے اور پھر مجھے تو اس اودی روشنی میں بھی کوئی راز معلوم ہوتا ہے۔" ذہین ٹامس نے بغور اودی روشنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔؟

کراوزے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"یہ بات نہیں کراوزے میرے دوست! غور کرو۔ کچھ غور کرو ہم یہاں

قلوپطرہ کا خزانہ حاصل کرنے آئے تھے۔ اسے حاصل کر کے ہم کیا کرتے ظاہر ہے اسے ہم دوسرے خزانے میں شامل کر دیتے وہ ہمارا اور اب تو نہ بن سکتا اسے اپنے خزانے کی زینت بنا کر ہم ایک فخر ایک خوشی محسوس کرتے اور اب اگر ہم مہذب دنیا کو ایک ایسی آبدوز کی سچی کہانی سناتے ہیں جو زیر آب ہے اور اس میں تین مردہ انسان خوف زدہ بیٹھے ہیں تو پوری دنیا ہماری اس تحقیق سے لطف اندوز ہو گی۔ بہت سے مشن اس آبدوز کی تلاش میں آئیں گے اور اس کی دریافت کا سہرا ہمارے سر ہو گا۔

"اوہ۔ بے شک، ٹامس بے شک میں نے تو اس انداز میں تو سوچا ہی نہیں تھا۔ ویری گڈ۔ درحقیقت یہ اطلاع ہماری شہرت میں چار چاند لگا دے گی۔"

کراوزے کے ذہن پر طاری اداسی کے گرد ایک دم جھڑ گئے اور اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک عود کر آئی۔ بلاشک خزانے کا حصول تفریحی تھا۔ ضروری نہیں تھا۔ خزانہ نہ سہی ایک دلچسپ اطلاع سہی۔ اس کی آنکھوں میں جوش کے آثار نظر آنے لگے اور وہ بولا۔

"کیوں نہ ہم دوسرے کیبنوں کا جائزہ بھی لے ڈالیں ممکن ہے کچھ اور لوگ یہاں موجود ہوں۔"

"ضرور۔ آؤ۔" ٹامس نے کہا اور وہ کیبن سے نکل آئے۔ دوسرے لوگ اپنے طور پر آبدوز کے حصوں کی سیر کر رہے تھے۔ یہ دونوں آبدوز کے دوسرے کیبن میں داخل ہو گئے۔

یہ کیبن آبدوز کے دوسرے حصوں سے قدرے بہتر حالت میں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں ایسی کوئی چیز ہی نہیں تھی جو ٹوٹتی پھوٹتی۔ چند کرسیاں تھیں جو الٹی پڑی تھیں۔ درمیان میں موجود میز چونکہ فرش میں نصب تھی اس لیے جوں کی توں رکھی تھی۔ بہت سے کاغذات پورے کیبن میں بکھرے پڑے تھے وہ اندر پہنچ کر ان کاغذات کو اکٹھا کرنے لگے۔ کچھ کاغذ سادہ تھے کچھ لکھے ہوئے تھے۔ تمام کاغذات کو یکجا کر کے انہوں نے لکھے ہوئے کاغذات کو پڑھنا شروع کر دیا۔

کاغذات کی تحریریں بھی دلچسپ تھیں۔ وہ ان تحریروں میں گم ہو گئے اس کے بعد انہوں نے میز کی درازیں کھول کر ان کی تلاشی لی اور بہت سے ایسے ثبوت مل گئے جو ان کاغذات کی تحریر کی تائید کرتے تھے اور اس آبدوز کے بارے میں تفصیل معلوم کر کے وہ انگشت بدنداں رہ گئے۔ بلاشک یہ دنیا کے لیے حیرت انگیز کہانی ہوگی۔

کہانی کچھ یوں تھی۔!

تین ملکوں کے تین اہم سائنسدانوں نے ایک خوفناک پلان ترتیب دیا انہوں نے سوچا وہ اپنے اپنے ملکوں کے لیے کام کرتے ہیں اس کی انہیں ایک معقول تنخواہ ضرور ملتی ہے لیکن وہ اتنی نہیں ہوتی کہ وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر سکیں۔ انہیں اپنی صلاحیتوں سے پوری دنیا کو مستفیض کرنا چاہیے چنانچہ ان تینوں نے مل کر یہ آبدوز بنائی۔ آبدوز نہ صرف آبدوز تھی۔ بلکہ ایک جدید ترین سائنسی لیبارٹری بھی تھی۔ سائنس دان اس آبدوز میں خوفناک

جنگی ہتھیاروں کے تجربے کرتے۔ دوران جنگ دشمن کو نیست و نابود کرنے والی گیس۔ دشمن کو ناکام بنانے والے فارمولے ان کے خاص مضمون تھے۔ چنانچہ انہوں نے مکمل تیاریاں کرنے کے بعد کام شروع کر دیا۔

ان کا طریق کار یہ تھا کہ کوئی خوفناک ہتھیار بنا کر ایک خاص ذریعے سے اس کی پبلسٹی کرتے، اس کا تجربہ کر کے دکھاتے اور پھر بہت سے ملکوں سے اس کے سودے کی بات چیت کرتے جہاں سے زیادہ آفر ملی وہاں اسے فروخت کر دیتے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک حرکت اور کرتے تھے۔ یعنی جو چیز وہ بناتے اس کا توڑ بھی اس کے ساتھ ہی دریافت کر لیتے۔ ایک ملک کو انہوں نے وہ جنگی حربہ بنا کر دیا۔ تو دوسرے کو اسے ناکارہ بنانے کا راز بھی بتا دیا اور اس سے بھی کافی رقم اینٹھی۔

اس طرح وہ ملکوں کو بے وقوف بنانے کا کاروبار کرتے تھے نہ جانے کس طرح دوسروں کو بے وقوف بنانے والے خود شکار ہو گئے تھے۔ یقیناً کوئی اچانک ہی حادثہ ہوگا۔

بہرحال یہ ان کی کہانی تھی جو کافی دلچسپ تھی۔ اور یقیناً بیرونی دنیا اس کہانی کو ہاتھوں ہاتھ لے گی۔ لیکن یہ کاغذات بہت اہمیت رکھتے تھے۔ اگر لوگ اس آبدوز تک پہنچ جاتے تو ان لوگوں کے بارے میں تفصیل انہیں ان کاغذات سے ہی معلوم ہو سکتی تھی۔

چنانچہ کاغذات انہوں نے اپنے قبضے میں کر لیے اور تھوڑی دیر تک کیبن کی تلاشی لینے کے بعد وہ دوبارہ اس کیبن میں پہنچ گئے جہاں وہ لوگ موجود تھے۔

اب ان کے دوسرے ساتھی بھی کیبن کا منظر دیکھ چکے تھے۔ وہ سب کے سب اس کیبن میں موجود تھے اور کیبن کی ایک ایک چیز کو چھان رہے تھے۔

دفعتاً ایک آدمی نے اودے رنگ کی روشنی کے نیچے لگے ہوئے ایک سیاہ چوکور بکس کو کھینچا اور بکس اپنے تاروں کے ساتھ آسانی سے باہر نکل آیا۔

اس کے ساتھ ہی اودی روشنی گل ہو گئی۔ بکس کھینچنے والے کے ہاتھ کو زبردست جھٹکا لگا تھا اس لئے اس نے ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ بکس چھوڑ دیا

"اوہ — بے وقوف آدمی۔ ایسی کسی چیز کو چھونے کی کوشش مت کرو جس کے بارے میں معلوم نہ ہو۔ ورنہ اپنی موت کے ذمہ دار خود ہوں گے" کراوزے نے سرزنش کی۔

ابھی اس کے الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ اچانک ایک کربناک آواز سنائی دی۔ آہ۔ آ۔ آ۔ آ۔ آؤ۔ بچاؤ۔ ہا بچاؤ۔ وہ سب دہشت سے اچھل پڑے تھے۔

آواز ان کے ساتھیوں میں سے کسی کی نہیں تھی۔ ٹامس کی نگاہ دیوار سے ٹکے ہوئے مردہ جسموں پر پڑی۔ اور اس کی آنکھیں حیرت سے نکل پڑیں تینوں جسموں کی پوزیشن بدل گئی تھی اور اب ان میں حرکت نظر آ رہی تھی اور وہ دہشتناک آواز انہیں میں سے ایک کی تھی۔

وہ دونوں ہاتھ سامنے کیے اس طرح چیخ رہا تھا۔ جیسے کسی نادیدہ چیز سے بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اسی وقت کراوزے کے تین ساتھیوں کی دہشت زدہ چیخیں سنائی دیں

اور وہ کیبن سے نکل بھاگے۔ وہ ان مردوں کے زندہ ہونے کی تاب نہ لا سکے تھے لیکن کراوزے ٹامس اور بقیہ ساتھی وہیں کھڑے رہے۔ وہ ان حرکت کرتے جسموں کو دیکھ رہے تھے اور ٹامس کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار تھے وہ گہری نظروں سے ان کا جائزہ لے رہا تھا۔

بیٹھے ہوئے لوگ کھڑے ہو گئے۔ ان کی ٹانگیں لرز رہی تھیں، ہاتھ کپکپا رہے تھے عجیب سا تشنج تھا۔ ان کے جسموں میں۔!

کراوزے ۔۔! ٹامس پر خیال انداز میں بولا۔

"ہوں ۔۔!"

"مجھے تو یہ کوئی سائنسی گڑبڑ نظر آتی ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"تم نے غور کیا وہ اودے رنگ کی روشنی ان پر منعکس تھی۔"

"ہاں۔"

"اور اس کے بجھتے ہی ان لوگوں میں زندگی پیدا ہو گئی۔"

"اوہ۔ ہاں ٹامس میرے دوست، بلاشبہ تم عظیم ذہانت کے مالک ہو میں نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا۔"

"بہت اہم بات ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آبدوز کو کوئی حادثہ پیش آیا ہو مثلاً وہ کسی سمندری چٹان سے ٹکرا گئی ہو اس سے قبل کہ یہ لوگ اسے سنبھالنے کی کوشش کرتے اس مشین کی اودی شعاعوں نے ان کے جسموں کو ساکت کر دیا ہو۔!"

"مگر یہ زندہ کیسے رہے ؟"

"یہ بھی ان شعاعوں کی خاصیت ہو سکتی ہے۔"

ٹامس کی دلیل جاندار تھی۔ کراوزے بھی اس انداز میں سوچنے لگا۔ وہ بدستور ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے جو اب سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے اب ان کی نظریں کراوزے اور ان کے ساتھیوں پر تھیں۔

"کیا تمہیں مدد کی ضرورت ہے۔؟ کراوزے نے کہا۔

"ہماری مدد کرو۔ ہمیں سہارا دو۔ ان میں سے ایک کمزور آواز میں بولا یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ لوگ مجرم تھے۔ خطرناک سائنسی مجرم، لیکن اس وقت وہ بے بس انسان تھے۔ اور ان کی مدد انسانی فرض تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے کراوزے آگے بڑھا۔ اور اس نے سب سے آگے والے کو سہارا دیا۔"

اس کے بعد ٹامس نے دوسرے کو اور ان کی دیکھا دیکھی ان کے ساتھیوں کی بھی ہمت ہوئی اور وہ تینوں پراسرار انسانوں کو کیبن سے نکال کر آبدوز کے بیرونی حصے میں لے آئے۔

"کیا تم لوگوں کو آکسیجن کی ضرورت نہیں ہے؟ کراوزے نے پوچھا

"نہیں ہمارے جسم میں پھیپھڑے نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ اور ٹامس اور کراوزے حیرت سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

تاہم وہ خاموش رہے۔

باہر آ کر وہ ایک جگہ نڈھال سے بیٹھ گئے

"ہم تمہارے بارے میں جاننے کے خواہشمند ہیں۔" کراوزے نے کہا۔

"کیا تمہاری حالت اب کچھ بہتر ہے۔" ٹامس نے پوچھا۔

"ہاں۔ اب ہم ٹھیک ہیں۔"

"اگر تم اس آبدوز سے باہر نکلنا چاہو تو ہم تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔"

"ہم تمہارے احسان مند ہوں گے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"لیکن غوطہ خوری کا لباس؟" کراوزے نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہم میں سے کسی کو اوپر جانا پڑے گا۔ تاکہ جہاز سے غوطہ خوری کے تین لباس لے آئے۔" ٹامس بولا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے دوستو۔ ہم بتا چکے ہیں کہ ہمیں آکسیجن کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم پانی میں بھی اسی طرح رہ سکتے ہیں جس طرح یہاں موجود ہیں۔ البتہ اوپر جانے کے لیے ہمیں تمہارے سہارے کی ضرورت پڑے گی۔"

"تب ٹھیک ہے باقی گفتگو اوپر چل کر ہی ہو گی۔" ٹامس نے کہا اور چیخ چیخ کر اپنے ان ساتھیوں کو آواز دینے لگا۔ جو خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے تھے۔

بلاشبہ یہ حیرت انگیز لوگ تھے۔ پانی میں ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں ان کے انداز سے بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ انہیں سانس لینے کی ضرورت ہے۔

اوپر پہنچ کر ان کے ہانپنے کی ذرا بھی آواز نہیں سنائی دی تھی جبکہ دوسرے لوگ بری طرح ہانپ رہے تھے۔

ان تینوں کو ایک کیبن میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ لباس وغیرہ تبدیل کرنے لگے۔ کراوزے نے دوسرے لوگوں سے کافی وغیرہ بنانے کے لیے کہہ دیا تھا

پھر جب وہ تازہ دم ہو کر ان تینوں کے پاس پہنچے تو وہ بھی بالکل تازہ دم اور چاک و چوبند نظر آ رہے تھے۔ ان کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں زندگی کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

انہیں دیکھ کر وہ مسکرائے! اور نہ جانے کیوں کراوزے کو یہ مسکراہٹ بے حد بھیانک لگی۔ لیکن اس نے اپنے انداز سے کسی قسم کے خوف کا احساس نہ ہونے دیا۔

"آؤ۔ دوستو۔ کافی تیار ہے۔ اس نے کہا۔

"کافی۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیے جیسے کوئی مضحکہ خیز بات سن لی ہو۔

"ہاں۔ کیا آپ لوگوں کو بھوک نہیں محسوس ہو رہی۔۔۔!

"ہماری بھوک ختم ہو چکی ہے، کیونکہ ہمارے معدے بھی نہیں ہیں!" ان میں سے ایک نے جواب دیا اور وہ سب پھر حیران رہ گئے۔ پھیپھڑوں والی بات تو درست نکلی تھی، کیا درحقیقت ان کے معدے بھی نہیں ہیں، مگر یہ کیسے ممکن ہے، کیا وہ انسان نہیں ہیں؟

"ہم نہیں سمجھ سکے! براہ کرم ہمیں تفصیل سے سمجھاؤ۔" اکرادزے نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہم اس وقت بھی ہوش میں تھے جب تم نے آبدوز میں پہلا قدم رکھا تھا ہم نے تمہاری گفتگو سنی تھی، ہم نے تمہاری حیرانی دیکھی تھی، تمہارا دوست درحقیقت ذہین ہے اس نے ہمارے بارے میں ٹھیک تجزیہ کیا ہے۔"

ہماری آبدوز ایک سمندری چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہو چکی ہے، اور وہ شعاعی مشین۔ اگر وہ مشین نہ ہوتی تو تمہیں ہمارے جسموں کی جگہ سوکھے ہوئے ڈھانچے نظر آتے! مشین کی مخصوص شعاعیں ہمیں زندہ رکھنے کا باعث ہیں جب ہم اس تباہ شدہ آبدوز کو دوبارہ استعمال کے قابل بنانے میں ناکام ہو گئے تو ہم نے مشین آن کر دی اور اس کی روشنی میں بیٹھ گئے۔ اگر ہزار سال بھی گزر جاتے تو ہم اسی طرح زندہ رہتے۔ ہمارے جسم خراب نہ ہوتے اور ہماری زندگی فنا نہ ہوتی۔ ہم انتظار کر رہے تھے ان لوگوں کا جو آ کر ہمیں اس قید سے نجات دلا دیں۔ اور آخر طویل انتظار ختم ہو گیا تم آ گئے ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔"

"ہمیں خوشی ہے کہ ہم تمہاری زندگی بچانے میں کامیاب ہو گئے۔!

لیکن تم کون ہو یہ آبدوز کس ملک کی ہے ؟"

"یہ ہماری اپنی ملکیت ہے اور ہم نے خود تیار کی ہے۔ اس سے زیادہ بتانا تمہارے لیے فائدہ مند نہ ہوگا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے ؟" کراوزے نے ا

"آہ دوست۔ ابھی یہ نہ پوچھو۔ کچھ اور وقت ہمارے ساتھ گزارو" ان میں سے ایک نے غمگین لہجے میں کہا۔

کیوں۔ کیا تمہاری زندگی کو کوئی خطرہ ہے ؟ ٹامس نے پوچھا اور اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر ٹامس ہی بولا "ہم ہر طرح تمہاری مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر تم بتا دو کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے تو ہم تمہارے لیے پروگرام بنالیں۔

"جاننا چاہتے ہو۔" اس نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ضرور۔" ٹامس نے جواب دیا اور وہ تینوں ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ان کی نظریں ٹامس کراوزے اور ان کے دو ساتھیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ جو کیبن میں موجود تھے۔

"تو پھر سنو۔ ہمارا ارادہ ہے کہ اس جہاز پر موجود ایک ایک فرد کو قتل کر دیں اور پھر یہ جہاز لے کر چل پڑیں۔ کسی بھی نامعلوم منزل کی طرف۔ ہمیں ایک دنیا کی تلاش ہے۔ ایک ایسی دنیا کی جہاں ہم اطمینان سے رہ کر اس دنیا کو ختم کرنے کا پروگرام بنا سکیں۔ ہمیں اس ہنستی کھیلتی دنیا سے نفرت ہے۔ شدید نفرت ہے۔!

"کیا مطلب ۔؟" کراوزے چونک پڑا۔ ٹامس کو بھی اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ کیا وہ پاگل تھے ۔ ان لوگوں نے ان کی زندگیاں بچائی تھیں اور وہ انہیں ہی قتل کرنے کی باتیں کر رہے تھے ۔

مطلب صاف ہے دوست! ہماری خواہش تھی کہ ہم کچھ وقت اور ساتھ گذارتے لیکن ۔ تم نے ہمارا ارادہ قبل از وقت پوچھ لیا۔ اور اب جب تم ہمارے ارادے سے واقف ہو گئے ہو تو ہمیں دیر نہ کرنی چاہیے ۔ اس نے آخری الفاظ ادا کیے ۔

اور ۔ اس کے ساتھ وہ تینوں جست کر کے ان پر آ پڑے ۔

کراوزے ٹامس اور اس کے ساتھیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اچانک یہ آفت آ پڑے گی ۔ اس لیے وہ جنگ کے لیے تیار نہ تھے دوسری بات یہ کہ اپنی چند خصوصیات سے یہ لوگ مافوق الفطرت ثابت ہوئے تھے اس کا خوف بھی طاری تھا ۔ چنانچہ فوری طور پر وہ اپنے بچاؤ کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے اور خوفناک انسانوں نے انہیں شکنجے میں کس لیا ۔ سب سے پہلے ان کے ایک ساتھی کے حلق کی خرخراہٹ بلند ہوئی اور وہ ہاتھ پاؤں پٹختے کے بعد ساکت ہو گیا ۔ چونکہ ان لوگوں کی تعداد تین تھی اور کمرے میں چار آدمی تھے اس لیے وہ ایک وقت میں صرف تین افراد کو پکڑ سکے چوتھا ساتھی کیبن سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا

انہوں نے ٹامس اور کراوزے کو بری طرح دبوچ رکھا تھا ۔ وہ ان کی گردن پکڑنا چاہتے تھے لیکن دونوں قوی ہیکل دوست جو زبردست مدافعت

کر رہے تھے۔ ان مافوق الفطرت انسانوں کی جگہ اگر عام قسم کے انسان ہوتے تو شاید انہیں ان لوگوں پر حملہ کر کے مرنے کے بعد بھی افسوس رہتا کہ وہ ان کی صحیح طاقت کا اندازہ نہ لگا سکے۔

لیکن خوفناک حد تک طاقتور کراوزے اس عام انسان کی جسامت کو زیر نہ کر پا رہا تھا جس کی پتلی پتلی کلائیاں فولاد کی سلاخوں سے زیادہ مضبوط تھیں۔

کراوزے کے جسم کے تمام بال کھڑے ہو گئے تھے۔ اب وہ سخت طیش کے عالم میں تھا اور ممکن تھا کہ وہ اس آہنی شیطان کی گرفت سے نکل جاتا۔ کہ اسی وقت ٹامس کی آخری چیخ سنائی دی اور اس کی توجہ بٹ گئی۔ ٹامس کی گردن اس کے حریف کی گرفت میں آ گئی تھی اور اب وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

کراوزے کی توجہ ہٹنا ہی اس کے لیے خطرناک ہو گیا۔ اس کی گردن خوفناک انسان کی گرفت میں آ گئی اور پھر کراوزے ٹامس کا حشر بھی نہ دیکھ سکا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑی تھیں اور چند لمحات کے بعد اس کا ذہن تاریک ہو گیا۔

ان تینوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد خوفناک انسان کیبن سے باہر نکل آئے۔ کیبن کے دروازے سے تھوڑے ہی فاصلے پر کراوزے کے دوسرے ساتھی ان کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔

گو ان کے چہرے دہشت سے بگڑے ہوئے تھے لیکن وہ بہر حال

مقابلے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اندر سے فرار ہونے والے نے انہیں اصل بات بتادی تھی اور ان کی زندگی کے لیے ضروری تھا کہ وہ ان تینوں کو ختم کر دیں۔

چنانچہ جیسے ہی وہ باہر نکلے کئی دھماکے ہوئے اور گولیاں ان کے جسموں سے ٹکرا گئیں۔

لیکن کراوزے کے ساتھیوں کی حالت اس وقت اور خراب ہو گئی جب انہوں نے ان گولیوں کا کوئی اثر نہ دیکھا۔ وہ لوگ اسی طرح کھڑے تھے پھر ان میں سے ایک بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

یہ کھلونے اب ہمارے لیے بے کار ہو گئے ہیں دوستو! کیونکہ ہمارے جسم ہی نہیں ہیں۔ آؤ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔!

دو آدمی پستول پھینک کر بھاگ نکلے۔ باقی اندھا دھند فائرنگ کرنے لگے۔ لیکن۔ بے سود۔ بہت جلد ان شیطانوں کی گرفت میں آ گئے اور ان کے جسم بھی سرد ہو کر نیچے گر پڑے۔

بھاگنے والے دونوں آدمی سمندر میں کود گئے تھے۔ لیکن یہ انہیں بھی نہ چھوڑنا چاہتے تھے۔ چنانچہ بیک وقت دو انسان سمندر میں کود گئے اور ان کی طرف لپکے جو غوطے کھا رہے تھے۔

تم میں سے کسی کی زندگی ہمارے لیے اچھی نہ ہو گی۔ کیونکہ ہمیں ایک دنیا آباد کرنی ہے اور اس وقت تک خاموشی اختیار کرنی ہے جب تک ہم مضبوط نہ ہو جائیں گے۔

وہ سمندر میں کودنے والوں کے قریب پہنچ کر بولے اور پھر انہوں نے

آسانی سے انہیں پکڑ لیا۔ پکڑے جانے والے بُری طرح چیخ رہے تھے اور ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ لیکن ان کی کوششیں بار آور نہ ہو سکیں اور ان کی گردنیں بھی خوفناک شکنجوں سے کس گئیں۔

اور پھر چند لمحات کے بعد ان کے مردہ جسم سمندر کے بگولوں کے ساتھ ابھر اور ڈوب رہے تھے۔ انہیں ختم کرنے کے بعد وہ دونوں پراسرار شیطان چھوٹے سے جہاز پر واپس آ گئے! ان کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی اور وہ بے خوش نظر آ رہے تھے۔

ہمارے کرم فرماؤں نے ہمارے لیے یہ جہاز تحفۃً چھوڑ دیا ہے۔ فی الحال ہم اسے ہی اپنا معاون بنائیں گے۔ ان میں سے ایک نے کہا اور دوسروں نے تائید کی۔ اس کے بعد انہوں نے جہاز کا کنٹرول سنبھال لیا۔

٭٭٭ ٭٭٭ ٭٭٭

●

شمی نے ایک گہری سانس لی اور اس نوجوان کی طرف دیکھنے لگی جو حسب عادت اسے گھور رہا تھا۔ سمندر کے اس سفر کو پانچواں دن تھا۔ اور وہ پہلے ہی روز سے شمی کے پیچھے پڑا تھا۔ تیسرے دن اس نے شمی سے گفتگو کرنے کی جرأت بھی کی تھی۔ لیکن شمی کے لہجے کی خشکی اور اس کی بات کے مختصر جواب نے نوجوان کی اس سے گفتگو کرنے کی ہمت چھین لی اور اس کے بعد وہ اسے مخاطب کرنے کی جرات نہ کر سکا۔

البتہ اسے گھورنے سے وہ اب بھی باز نہ آیا۔ اور شمی کے کیبن سے نکلتے ہی وہ اپنا کام شروع کر دیتا تھا۔

ڈاکٹر داور اور شمی کو ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے سرمائے میں یہی ایک لڑکی تھی۔ ان کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ ان کی یہی خواہش تھی کہ شمی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ لیکن اسی سلسلہ میں اپنی مرضی اس پہ مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے شمی سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ کسی نوجوان کو اپنی زندگی کے لیے منتخب کرے تو انہیں صاف صاف بتا دے انہیں اعتراض نہ ہوگا۔

اور شمی نے وعدہ کر لیا تھا۔!

لیکن ڈاکٹر داور کی آرزو آرزو ہی رہ گئی۔ شمی اس طرف سے بالکل لاپروا

تھی ـــ ہاں عمران کے بارے میں ڈاکٹر داور خوب جانتے تھے کہ شمی عمران کو پسند کرتی ہے۔

لیکن عمران انسان کب تھا۔ شمی کی پسند پر ڈاکٹر داور رنج کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ عمران کو کسی ایسے کام کے لیے ہموار کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ ایک آدھ مرتبہ کوشش بھی کی تھی تو بُری طرح ناکام رہے تھے۔ اور کبھی کبھی یہ خیال ان کے دل کو تسلی دیتا رہتا تھا۔ کہ ان کی بیٹی ناکام محبت رہ کر تو شادی سے گریز نہیں کر رہی۔

بہر حال وہ شمی کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش میں لگے رہتے تھے اس بار بھی شمی نے سرسری طور پر ذکر کیا تھا کہ اس نے کبھی سمندری سفر نہیں کیا ہے چنانچہ ڈاکٹر داور فوراً تیار ہو گئے۔ وہ ایک اعلےٰ درجے کے جہاز سے ایک دوسرے ملک گئے۔ وہاں کچھ دن گذارنے کے بعد اسی جہاز سے واپس وطن جا رہے تھے اور انہوں نے اس سفر میں شمی کو کافی خوش محسوس کیا تھا شمی کو یہ دلچسپ اور دل کش سفر بہت پسند آیا تھا۔

لیکن یہ نوجوان خاصا قبول صورت تھا۔ لیکن اپنی چھچھوری حرکتوں کی وجہ سے شمی کو ایک آنکھ پسند نہیں آیا تھا۔

شمی کے دیکھتے ہی اس نے جلدی سے دوسری طرف رخ کر لیا۔ اسی وقت ڈاکٹر داور بھی کیبن سے نکل کر باہر آ گئے (یعنی اس کے پاس آ گئے)

"کیا ہو رہا ہے بیٹے!" انہوں نے محبت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ڈیڈی۔ بس یونہی آ کھڑی ہوئی تھی۔" شمی نے مسکراتے ہوئے

جواب دیا۔ وہ ڈاکٹر داور پر اس نوجوان کی حرکت کو ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی ابھی وہ کچھ اور گفتگو نہ کر پائے تھے کہ اچانک انہوں نے کچھ لوگوں کی آوازیں سنیں جو عرشہ پر چیخ رہے تھے۔

"کیا ہو گیا۔ ڈاکٹر داور نے حیرانی سے کہا۔ اور وہ بھی دوسروں کی طرح صورت حال معلوم کرنے لگے۔ جہاز کی رفتار سست ہو گئی تھی اور پھر وہ بالکل رک گیا انہوں نے تیزی سے ایک لانچ نیچے اترتی دیکھی اور پھر لانچ اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔

تب انہوں نے بھی ان ڈوبنے والوں کو دیکھا جو سمندر میں غوطے کھا رہے تھے۔ وہ جہاز سے بہت دور نہ تھے۔ لیکن پانی کے بگولے انہیں نیچے نیچے اوپر کر رہے تھے۔ اور پھر ان کے ہاتھ کے انداز میں اٹھتے نظر آتے۔

"لانچ جلد ہی ان کے قریب پہنچ گئی اور وہ لوگ ان کے نکالے جانے کا منظر دیکھتے رہے پھر لانچ واپس آ گئی۔ اور اس کے بعد کئی گھنٹے تک صحیح صورت حال معلوم نہ ہو سکی۔

کافی دیر کے بعد پتہ چل سکا۔

وہ تین سیاح تھے جو ایک چھوٹی سی کشتی سے سفر کر رہے تھے آخر کشتی ایک طوفان میں پھنس گئی اور پھر وہ نہ بچ سکی۔ ان کے دو ساتھی سمندر کی نظر ہو گئے اور وہ نہ جانے کس طرح بچ کر اس جہاز تک آ پہنچے تمام مسافروں کو ان مظلوم انسانوں سے ہمدردی تھی۔ ابھی تک وہ عام لوگوں سے نہیں ملے تھے لیکن دوسرے دن وہ جہاز کے دوسرے مسافروں سے ملے۔

عجیب سے لوگ تھے۔ خاصی پراسرار شخصیت رکھتے تھے۔ انہوں نے خود کسی سے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لوگ خود ہی ان کے پاس جاتے اور ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے! بہرحال وہ لوگوں سے بیزار سے معلوم ہوتے تھے۔

شمی کے دل میں بھی ان سے ملنے کی خواہش پیدا ہوگئی اور اس نے اس کا اظہار ڈاکٹر داور سے کر دیا۔

"پریشان ہوں گے بے چارے۔ دوسرے لوگوں نے بھی انہیں کافی تنگ کیا ہے۔ بہرحال آؤ۔ چلتے ہیں اور ڈاکٹر داور شمی کے ساتھ ان کے کیبن پر پہنچ گئے۔ اجازت لینے پر اجازت مل گئی۔ اور یہ دونوں اندر داخل ہو گئے تینوں مسہریوں پر دراز تھے۔ جہاز کی طرف سے انہیں یہ سہولت مہیا کی گئی تھی۔ یہاں تک کہ کپتان نے ان کے لیے کپڑوں کا بندوبست بھی کر دیا تھا۔ یہ کپڑے مسافروں سے ہی لیے گئے تھے جو ان سے ہمدردی رکھتے تھے

تشریف رکھیے۔ ان میں سے ایک نے خشک لہجے میں کہا اور ڈاکٹر داور اور شمی شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئے۔

"دوسرے لوگوں کی طرح ہمارے کانوں میں بھی آپ کی داستان پہنچی ہمیں آپ سے ہمدردی ہے" ڈاکٹر داور نے تمہید کی۔

"شکریہ۔" اسی نے جواب دیا۔

"ہم لوگ آپ کے کسی کام آسکے تو ہمیں خوشی ہوگی۔

"آپ لوگ بہت مخلص ہیں۔ بہرحال ہم آپ کے ملک جا رہے ہیں وہاں پہنچ کر آپ کی حکومت ہی ہمارے بارے میں فیصلہ کر سکے گی!"

"میں حکومت سے آپ کو آپ کی خواہش کے مطابق مراعات دلوا سکتا ہوں بلکہ میری خواہش ہے کہ آپ وہاں چل کر میرے ساتھ ہی قیام کریں۔

"کیا آپ کوئی سرکاری افسر ہیں؟" دوسرے نے سوال کیا۔

"نہیں میں ایک معمولی سائنسدان ہوں۔ اپنے طور پر اپنے ملک کی خدمت کرتا ہوں اور میرے ملک کے لوگوں نے مجھے کچھ اہمیت دے دی ہے۔

"اوہ" ان کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک پیدا ہو گئی "آپ کا نام کیا ہے؟"

"لوگ مجھے ڈاکٹر داور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔"

وہ لوگ ذہنوں پر زور دینے لگے اور پھر ان میں سے ایک نے چونک کر پوچھا "ڈاکٹر داور۔ اوہ الفانسو کے کیس میں بھی ایک نام سنا گیا تھا۔ ایک نام نہ جانے کیا۔ بہرحال آپ کا نام شناسا ہے۔"

"اس کا نام ناصر آفریدی تھا۔ بہرصورت خوش قسمتی سے الفانسو کے کیس میں میں بھی ان کے ساتھ شامل تھا ناصر میرا دوست ہے۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر ڈاکٹر داور۔ آپ تو بڑی عظیم شخصیت ہیں۔" ان کا رویہ اچانک بدل گیا اور وہ کافی پرجوش نظر آنے لگے۔

"ہمیں مسرت ہے کہ آپ جیسا انسان مل گیا۔ کیا آپ ہماری مدد کریں گے؟"

ڈاکٹر داور۔ ضرور۔ مجھے آپ کی مدد کر کے دلی مسرت ہو گی۔

"تب براہ کرم پہلا کام یہ کریں کہ ہمیں حکومت کی پوچھ گچھ سے بچائیں۔ آپ اپنی ذمہ داری پر ہمیں لے چلیں چار چھ دن سکون سے آرام کرنے کے بعد ہمارے بارے میں حکومت سے گفت و شنید کریں۔ ہم سخت تھک چکے ہیں۔

"اطمینان رکھیں یہ کام زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ ڈاکٹر داور نے کہا۔ اور ان میں سے ایک شمی کی طرف دیکھنے لگا۔ امیری بچی ہے۔ ڈاکٹر داور نے شمی کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ اور انہوں نے گردن ہلا دی۔ نہ جانے کیوں شمی کو ان میں سے ایک پر بھی رحم نہ آیا۔ وہ اسے اچھے آدمی معلوم نہ ہوئے تھے اور اسے ڈاکٹر داور کی یہ پیش کش بھی پسند نہ آئی کہ وہ ان کے ساتھ ان کی کوٹھی پر قیام کریں۔ بہرحال ڈاکٹر داور کہہ چکے تھے اس لیے وہ خاموش رہی۔

تھوڑی دیر تک ان سے گفتگو کرنے کے بعد ڈاکٹر داور اور ان سے دوبارہ ملاقات کا وعدہ کر کے شمی کے ساتھ نکل گئے۔

شمی نے آخری وقت بھی مخالفت کی تھی لیکن ڈاکٹر داور ان سے وعدہ کر چکے تھے۔ گو وہ شمی کی بات بھی رد نہ کر سکتے تھے۔ لیکن اس سلسلہ میں مجبور ہو گئے تھے۔

بہرحال وہ ان تینوں کو اپنی کوٹھی میں لے آئے۔ وہ لوگ بھی ڈاکٹر داور سے کافی گھل مل گئے۔ شمی سے بھی وہ بہت پر اخلاق گفتگو کرتے۔

لیکن نہ جانے کیوں شمی انہیں ذہنی طور پر قبول نہ کر سکی۔ بظاہر اس کا برتاؤ ان کے ساتھ برا نہیں تھا ان میں سے ایک کا نام برن دوسرا کول اور

تیسرا کی تھا۔ تینوں ہی مخبوط الحواس تھے۔ شمی نے کبھی ان میں سے کسی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی۔ روکھے روکھے سے سنجیدہ آدمی۔ کبھی کبھی تو ان کی آنکھوں سے دیوانگی جھلکنے لگتی۔ لیکن انہوں نے اس دیوانگی کا مظاہرہ کبھی نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ خاموش رہتے۔ البتہ ڈاکٹر داور ان کے ساتھ بہت پرخلوص تھے۔ انہوں نے انہیں اپنی لیبارٹری اور اپنی کوٹھی کا ایک ایک حصہ دکھایا تھا۔ گو ان لوگوں نے سائنس سے اپنی واقفیت کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن تعلیم یافتہ لوگ تھے اور کبھی کبھی کوئی ایسا سوال کر دیتے کہ ڈاکٹر داور دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتے۔

چنانچہ اس وقت بھی ڈنر ٹیبل پر ایک سائنسی مسئلہ پر بحث چھڑ گئی۔ کافی طویل بحث تھی اور شمی حد درجہ بور ہو رہی تھی لیکن وہ ڈاکٹر داور کے چہرے پر حیرت سے نقوش دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر داور بورن سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔

جب بورن خاموش ہو گیا تو ڈاکٹر داور کئی منٹ تک کچھ نہ بول سکے۔

"کیوں کیا سوچ رہے ہیں مسٹر داور۔" بورن نے گردن اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"میں سوچ رہا ہوں مسٹر بورن کہ اگر آپ کو سائنسدان ہوتے تو شاید دنیا بھر میں آپ کے ٹکر کے کچھ ہی سائنسدان ہوتے۔ جب ایک سائنسٹ نہ ہوتے ہوئے سائنسی امور پر اس قدر گہری نگاہ رکھتے ہیں تو سائنسدان ہوتے ہوئے نہ جانے آپ کیا کرتے!"

بورن نے ایک پراسرار نگاہ اپنے ساتھیوں پر ڈالی اور شمی نے عجیب انداز میں ان لوگوں کے سر ہلتے ہوئے محسوس کیے! نہ جانے کس قسم کی اجازت لی گئی ہے۔ اس نے سوچا۔ ویسے وہ سوچ رہی تھی کہ اب یہاں سے اٹھ ہی جائے — ورنہ سر میں درد ہونے لگے گا۔"

"آپ کے خیال میں مسٹر داور اگر ہم تینوں سائنسدان ہوتے تو کیا کرتے — ؟" بورن نے سوال کیا۔

"کیا کرتے — اس کے بارے میں میں تو نہیں کہہ سکتا۔ لیکن جو کچھ کرتے بہت خوب کرتے!"

"افسوس آپ کا خیال غلط ہے مسٹر داور — بورن نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

"کیا — ؟ ڈاکٹر داور نے دلچسپی سے پوچھا۔

ہم سائنسدان ہوتے ہوئے بھی ابھی تک کچھ نہیں کر سکے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔" ڈاکٹر داور قدرے حیرانی سے بولے۔

"ہم تینوں سائنسدان ہیں تین مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے ہم نے درجنوں جنگی فارمولے ایجاد کر کے ملکوں سے تعلق رکھنے والے ہمارا یہی کام تھا۔ ایک خطرناک ہتھیار ایجاد کیا۔ اور اس کا توڑ بھی ایجاد کر لیا۔ پھر ہاتھ ایک ملک کے ہاتھ فروخت کیا اور توڑ دوسرے کے ہاتھ۔ لیکن نہ جانے کیوں آج تک ہمارے کسی حربے کو استعمال نہیں کیا گیا نہ جانے ملک اتنے بزدل کیوں ہو گئے ہیں۔ نہ جانے انہیں دنیا کی اس پھیلتی

ہوئی آبادی پر تشویش کیوں نہیں ہے۔

سب کچھ کرنے کے بعد بھی ہم وہیں کے وہیں ہیں۔ ہماری آبدوز ہماری لیبارٹری ایک سمندری چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہو گئی۔ اور ہم شعاعی نیند سو گئے۔ ہمیں جگانے والے شاید کسی خزانے کی تلاش میں آئے تھے بہرحال ہم جاگ گئے اور وہ سو گئے۔ اور پھر قسمت نے ہمیں اس جہاز پر لا پھینکا جس پر تم تھے۔

یہ بہت بڑی خوش قسمتی تھی کہ اس جہاز پر تم سے ملاقات ہو گئی تم ہمارے لیے بہت کام کے آدمی ثابت ہو گے۔ ڈاکٹر داور ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔

بورن عجیب سے انداز میں یہ گفتگو کر رہا تھا اور شمی اور ڈاکٹر داور حیرانی سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

چند منٹ خاموشی کے بعد وہ پھر بولا۔

"کیا تم ہمیں اپنی لیبارٹری کے استعمال کی اجازت دے دو گے ڈاکٹر۔"

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر داور چونک پڑے۔

"تم بے حد عمدہ آدمی ہو۔ دوست نواز اور ہمدرد۔ ہمیں تمہاری لیبارٹری کی ضرورت ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ تم سے دلچسپی کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔

"کیا کرنا چاہتے ہو۔؟" ڈاکٹر داور سرسراتی آواز میں بولے۔"

تمہارے ملک کی آبادی بھی بہت کافی ہے۔ لوگ بھوکے مر رہے ہیں، پریشان حال ہیں ان کی پریشانی میں کمی کر دیں گے۔ تمہاری حکومت کے مسائل محدود ہیں، بڑھتی ہوئی آبادی کے کتنے مسائل بڑھ گئے ہیں حکومت سے کہو کہ وہ ہمیں آبادی گھٹانے کا ٹھیکہ دے دے۔ صرف ایک ماہ میں پورے ملک کی آبادی آدھی رہ جائے گی۔ اور پھر نت نئے دلچسپ طریقے، سائنسی چٹکلے ایجاد کرنے میں ہمارا جواب نہیں ہے۔ بورن شاید پہلی بار مسکرایا۔

اور شی اس مسکراہٹ سے لرز گئی۔ اول تو اس کی گفتگو ہی کون سی کم خوفناک تھی۔ اور پھر یہ مسکراہٹ۔ اس نے اس مسکراہٹ میں شمار لوگوں کی کراہیں، سسکیاں چیخیں سنیں، بے پناہ بھیانک مناظر دیکھے اور اس کے جسم نے پسینہ چھوڑ دیا۔

خود ڈاکٹر داور بھی عجیب سی نظروں سے بورن کو دیکھ رہے تھے پھر وہ بورن کے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر بولے!

"کیا مسٹر بورن کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔؟"

"نہیں ڈاکٹر۔ دراصل یہ بہت شریف انسان ہے۔ بھلا لیبارٹری حاصل کرنے کے لیے تمہاری اجازت کی کیا ضرورت ہے۔"

مکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور ڈاکٹر داور حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔

کیا بکواس ہے! وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولے۔

"ہم زیادہ انتظار نہیں کر سکتے ڈاکٹر ہم آج سے تمہاری لیبارٹری اپنی تحویل میں لے رہے ہیں۔" اس بار کول بولا۔ اور کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

"کیا تم میری ہمدردی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔!"

"جائز اور ناجائز کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں ہے ڈاکٹر البتہ ہم تمہارے ساتھ رعایت ضرور کریں گے۔" بورن نے کہا۔

"اور وہ رعایت یہ ہو گی کہ تم اور تمہاری لڑکی زندہ رہیں گے جب تک ہمارا دل چاہے گا۔ ہم یہاں تفریح کریں گے اور پھر کسی اور ملک نکل جائیں گے۔ پوری دنیا کو ہماری ضرورت ہے۔ غور کرو اس طویل آبادی سے کیا فائدہ۔ تھوڑے سے لوگ ہوں گے۔ عیش و عشرت سے رہیں گے خوشحالی ہو گی۔ بھوک کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سب ایک دوسرے کے دوست ہوں گے! ہم ایک عظیم اور دل کش دنیا تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر داور۔ اور اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ دنیا کو فضول آبادی سے پاک کر لیا جائے ویسے تمہاری لیبارٹری ہر طرح سے مکمل ہے۔ لیکن میرا خیال ہے ناصر کی لیبارٹری بھی ہماری تحویل میں ہونی چاہیئے۔ بہر حال تمہارے بعد اس کا نمبر ہے!"

"ہاں۔ ناصر کی لیبارٹری اس لیبارٹری سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔ تم اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ میں تمہارے ساتھ تعاون کروں گا۔"

اچانک ڈاکٹر داور بولے۔ وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ یہ سائنسی دیوانے لوگ کافی خطرناک ہیں اور ممکن ہے ان سے کوئی نقصان بھی ہو جائے

البتہ وہ اگر ناصر سے بھڑ گئے تو پھر — ان کی سلامتی مشکل ہے۔
"فی الحال تو تم اپنی لیبارٹری کے سلسلہ میں تعاون کرو۔ اس کی چابیاں ہمارے حوالے کر دو۔
"چابیاں کہاں ہیں۔" تم اسے دیکھ چکے ہو۔ ڈاکٹر داور نے کہا۔
"ایں۔ ہاں۔ چابیاں کہاں پائیں آؤ ڈاکٹر چلتے ہیں۔ لیبارٹری میں چل کر ہی گفتگو ہو گی۔
بورن کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔
ڈاکٹر داور سخت الجھن محسوس کر رہے تھے۔ ان کے پاس اس وقت پستول بھی نہیں تھا ورنہ وہ انہیں گولی مارنے سے دریغ نہ کرتے۔
بہر حال چالاکی سے کام لینا ہو گا۔ ورنہ نہ جانے کیا ہو جائے۔ وہ شمی سے بھی شرمندہ تھے۔ شمی نے پہلے ہی ان لوگوں سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی بات نہ مانی۔
تینوں بڑی شرافت سے اٹھ گئے اور دروازے کی طرف چل دیئے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے ڈاکٹر داور نے شمی کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"جاؤ شمی بیٹے۔ تم آرام کرو۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بہر حال میرے دوست ہیں۔
اور شمی ایک دم دوسری طرف مڑی لیکن کول نے اس کا بازو پکڑ لیا اور شمی کی چیخ نکل گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے: ڈاکٹر داور آپے سے باہر ہو گئے۔
ہماری دوستی میں اس کی شرکت بھی ضروری ہے۔ یہ مناسب نہ ہوگا
کہ یہ وقت سے پہلے ہی کسی کو ہمارے بارے میں اطلاع دیدے۔
"تم لوگ انتہائی ذلیل اور احسان فراموش ہو ڈاکٹر داور گرجے۔"
"کون سی زبان استعمال کر رہے ہو ڈاکٹر۔ احسان۔ فراموش۔ ذلیل یہ سب
کیا ہوتا ہے۔ کول نے بدستور شمی کی کلائی پکڑے ہوئے کہا۔
"اسے چھوڑ دو۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔
"دنیا میں اچھائی کا کوئی وجود نہیں ہے ڈاکٹر۔ اس بحث میں نہ پڑو
چلو لڑکی تمہارا باپ دنیا کے اصولوں سے ناواقف ہے۔ اس نے شمی کو
ایک طرف دھکا دیا۔ اور ڈاکٹر داور برداشت نہ کر سکے۔ دوسرے لمحے
وہ کول پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے کئی زبردست گھونسے کول کے رسید
کیے۔ لیکن کول پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے اطمینان سے ڈاکٹر داور کی دونوں
کلائیاں پکڑ لیں۔ اور ڈاکٹر خود کو اس کی خوفناک گرفت سے آزاد نہ کرا
سکے۔ پھر کول نے ایک انگلی سے ان کی کنپٹی کھٹکھٹائی اور ڈاکٹر داور
کے حواس جواب دے گئے۔ دوسری طرف بورن نے شمی کے ساتھ بھی
یہی سلوک کیا تھا۔

●

کیپٹن فیاض سے تو اب مستقل ان بن رہنے لگی تھی۔ شاذ و نادر ہی ملاقات ہوتی اور وہ بھی کسی تلخ واقعہ پر ختم ہوتی۔ نتیجہ یہ تھا کہ اب فیاض اس کی صورت سے بیزار تھا۔

ویسے بھی اب اس نے قسمت پر قناعت کر لی تھی۔ عمران کے سہارے عہدے کہاں تک بڑھواتا رہتا۔

اول تو بہت دن سے اسے ایسا کوئی بڑا کیس نہیں ملا تھا جسے حل کرنے میں دقت ہوتی۔ اور اگر ملا بھی تھا تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ رحمان صاحب کی ڈانٹ پھٹکار گوارا لیکن عمران کو برداشت نہیں کرے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اب اس نے عمران کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا۔ خواہ مخواہ اس کی شکل دیکھ کر غصہ آتا تھا۔

اس وقت بھی وہ اچانک ہی نظر آ گیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے فیاض کا دل چاہا کہ اس سے گفتگو کرے۔ لیکن پھر اس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ ویسے عمران نے ابھی تک اسے نہیں دیکھا تھا۔

بس اچانک ہی ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ فیاض سادہ لباس میں تھا۔ کچھ شاپنگ کرنی تھی اس لیے ایک جنرل اسٹور میں داخل ہو گیا۔ اس کی کار جنرل اسٹور سے کافی فاصلہ پر کھڑی تھی اور وہ ٹہلتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔

ابھی وہ اپنی ضرورت کی چیزیں دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک دوسرے کاونٹر سے ایک آواز ابھری۔

"بچوں کو دودھ پلانے کی ایک بوتل ہو گی۔" آواز عمران کی تھی اور وہ چونک کر پلٹ پڑا۔

عمران شاید پہلے سے اسٹور میں موجود تھا۔ فیاض نے فٹ پاتھ کی طرف نظریں دوڑائیں۔ عمران کی کار فٹ پاتھ کے سہارے کھڑی تھی۔

بہرحال دوکان دار اسے دودھ کی بوتلیں دکھانے لگا۔ یہ بات بھی فیاض کے لیے حیرت کن تھی۔ عمران کو دودھ کی بوتل کی کیا ضرورت تھی۔ عمران نہایت سنجیدگی سے بوتلیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے ایک بوتل خرید کی۔ اور قیمت ادا کر کے دوکان سے باہر نکل گیا۔ اس نے دوکان میں موجود کسی دوسرے فرد کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔!"

بہرحال یہ بات بھی فیاض کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اب اسے اس بات کی الجھن ہو گئی کہ آخر عمران نے دودھ کی بوتل کیوں خریدی ہے اسے اس کی کیا ضرورت پڑ گئی۔

اور وہ یہ ضرورت جاننے کے لیے بے چین ہو گیا۔ چنانچہ اس نے جلدی سے دوکاندار کو خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا کی اور دوکان سے باہر نکل آیا اور پھر اپنی کار تک پہنچنے میں اسے دیر نہ ہوئی۔ عمران کی کار سست رفتاری سے آگے بڑھی تھی۔

فیاض کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ تعاقب میں انتہائی

احتیاط برت رہا تھا۔ اس کے علاوہ عمران کو شاید تعاقب کا خیال بھی نہ تھا اس لیے وہ نہایت لاپرواہی سے جا رہا تھا۔

کار سڑکیں طے کرتی رہی اور پھر عمران کی کار شہر سے باہر نکل جانے کے بعد ایک سڑک کی طرف مڑ گئی۔ یہاں فیاض کو اور زیادہ احتیاط کرنی پڑی تھی اس نے فاصلہ کچھ اور بڑھا دیا۔

اور پھر عمران کی کار کی رفتار کچھ سست ہونے لگی۔ اس نے اسے ایک کچے راستے پر اتار دیا۔ فیاض حسب معمول بہت احتیاط سے اقدامات کر رہا تھا۔ کار رکتے ہی اس نے اپنی کار بھی روک دی اور عمران کو نیچے اترتے دیکھ کر خود بھی نیچے اتر آیا۔ سڑک کے نیچے درختوں کا سہارا لے کر وہ آگے بڑھتا رہا اور ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے وہ عمران کا جائزہ لے سکتا تھا۔

عمران ایک درخت کی جڑ میں جھکا ہوا کچھ کر رہا تھا۔ فیاض سنسنی خیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر عمران سیدھا ہوا اس نے جیب سے ایک چاقو نکالا اور اس سے درخت کے تنے پر ایک نشان بنانے لگا۔ نشان بنانے کے بعد وہ چاقو جیب میں ڈال کر کار کی طرف بڑھ گیا۔ فیاض کے لیے یہ سب کچھ حیرت انگیز تھا۔ ایک لمحے میں اس نے فیصلہ کر لیا۔ کہ عمران کے تعاقب کی بجائے اب یہ دیکھے گا کہ اس نے یہاں کیا کیا ہے۔!

چنانچہ وہ اس کے چلے جانے کا انتظار کرنے لگا! اور جب عمران

کی کار آگے بڑھ گئی تو درخت کی طرف چل پڑا۔ سب سے پہلے اس نے درخت کے نشان کو دیکھا۔ ایک کراس بنا ہوا تھا۔ پھر وہ درخت کی جڑ میں دیکھنے لگا۔ مٹی کھرچی ہوئی تھی۔ شاید درخت کی جڑ میں کوئی چیز دفن کی گئی تھی۔ فیاض درخت کی جڑ میں بیٹھ گیا اور اس نے مٹی کھودنا شروع کر دی۔ جو چیز دفن کی گئی تھی زیادہ گہرائی میں نہ تھی۔ کیونکہ عمران نے یہاں زیادہ دیر نہ لگائی تھی۔ چند لمحات کے بعد فیاض کو شیشہ نظر آیا اور پھر اسے دودھ کی بوتل نظر آ گئی۔

گویا دودھ کی بوتل کسی خاص مقصد کے لیے خریدی گئی تھی۔ اس نے مزید مٹی کھود کر وہ بوتل نکال لی۔ بوتل کے اندر کوئی سفید سی شے نظر آ رہی تھی۔!

اور وہ چیز کاغذ کا ایک پرزہ تھی۔

کوئی پیغام ـــ مگر کس کے لیے ـــ؟ فیاض نے سوچا۔ اس پراسرار انداز میں وہ کسی پیغام دینا چاہتا تھا۔ اس نے نپل ہٹا کر کاغذ نکال لیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگا۔

منے سے سپرنٹنڈنٹ ـــ!

درحقیقت ابھی تمہارے دودھ پینے کے دن ہیں۔ میری طرف سے یہ بوتل تحفتہً قبول کرو۔ شاباش!"

فیاض کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ تو عمران نے اسے اسٹور میں دیکھ لیا تھا۔ اس کے تعاقب سے واقف تھا۔ اور فیاض کو یہاں تک لگا کر لانا

صرف شرارت تھی۔
اس نے جھلائے ہوئے انداز میں بوتل درخت سے دے ماری اور پاگلوں کے سے انداز میں اپنی کار کی طرف دوڑا۔ اسے شدید طیش آگیا تھا۔ اور آج وہ عمران سے نپٹنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ کیا سمجھتا ہے خود کو اب اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ رحمان صاحب بھی اگر اس سلسلہ میں اس سے بازپرس کریں گے تو دیکھا جائے گا۔"
کار کے اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر اس نے برق رفتاری سے کار اسٹارٹ کی اور چل پڑا۔ رفتار بتانے والی سوئی اسی اور نوے کے درمیان لرز رہی تھی۔ وہ ہر قیمت پر عمران کو پالینا چاہتا تھا۔
اور اسے ناکامی نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے عمران کی کار نظر آگئی وہ سست روی سے جا رہا تھا۔ فیاض رفتار سست کرنے لگا اور چند منٹ کے بعد عمران کار کے نزدیک پہنچ گیا۔
"کار روکو۔۔۔" اس نے چیخ کر کہا۔ اور عمران نے کار کی رفتار سست کر دی۔ پھر وہ تقریباً رک گئی اور فیاض نے بھی اپنی کار میں بریک لگا دیئے عمران کھڑکی سے گردن نکالے اسے دیکھ رہا تھا۔ فیاض نے کار کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر آیا۔ وہ غصے سے پیر پٹختا عمران کی طرف بڑھا۔ لیکن دوسرے لمحے اس کی کھوپڑی ناچ گئی۔
عمران نے زن سے کار آگے بڑھا دی تھی۔ فیاض اسے گالیاں دیتا ہوا اپنی کار کی طرف لپکا اور ایک بار پھر تعاقب ہونے لگا۔

عمران بھی شاید انتہائی موڈ میں تھا۔ وہ کار کی رفتار تیز بھی نہیں کر رہا تھا۔ لیکن فیاض کو قریب بھی نہ پہنچنے دے رہا تھا۔ اسی طرح آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے وہ شہر میں داخل ہو گئے۔ فیاض کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بری طرح دانت پیس رہا تھا۔ اور پھر ایک ٹریفک سگنل پر عمران کی شامت آ ہی گئی۔ سگنل بند ہو گیا تھا اس لیے اسے مجبوراً گاڑی روکنی پڑی۔

اور فیاض اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے اس طرح گاڑی آگے اڑائی کہ عمران نکل نہ سکے۔

"نیچے اتر آؤ۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔" اس نے غرا کر کہا۔

"جی، مجھ سے کچھ فرمایا آپ نے؟" عمران معصومیت سے بولا۔

بہرحال اب عمران کے نکل بھاگنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس لیے فیاض گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ پھر اس نے عمران کی کار کا دروازہ کھول کر اس کا گریبان پکڑا اور زوردار جھٹکا دیا۔

عمران نے بھی اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور بری طرح فیاض پر آ رہا۔ دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

اور اسی وقت اچانک ایک تیز گونج سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی خوفناک چیخیں سنائی دیں۔ اور پھر گاڑیوں کے ٹکرانے کے دھماکے ان کی آن میں ایک خوفناک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ لیکن چیخوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ لوگ بے تحاشہ

بھاگ رہے تھے۔

عمران اور فیاض دونوں میں سے کسی کی سمجھ میں یہ ہنگامہ نہیں آیا تھا۔ عمران کا گریبان ابھی تک فیاض کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ دونوں اسی طرح نیچے پڑے تھے۔

لیکن پھر اس طرح پڑے رہنا خطرناک ہو گیا۔ بہت سے لوگ انہیں روندتے ہوئے نکل گئے تھے۔ اور اب گاڑیاں بھی ہارن دینے لگی تھیں پھر وہ ہارن کا انتظار کیے بغیر آگے بڑھیں اور اس طرح بہت سی گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں۔

عمران پھرتی سے کھڑا ہو گیا۔ اور اچانک ایک روشنی سی اس کے سر سے گذر گئی۔ سرخ روشنی تھی جو اس کے سر کو چھوئے بغیر سامنے دیوار پر پڑی اور دیوار سے شعلے بلند ہونے لگے۔

فیاض نے بھی کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ لیکن عمران نے ٹانگ مار کر اسے گرا دیا۔ اور پھر وہ فیاض کا کوٹ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا گھٹنوں کے بل فٹ پاتھ پر چڑھ گیا۔ فٹ پاتھ کے سہارے سہارے دوکانیں تھیں اور لوگ دکانوں سے کود کر بھاگ رہے تھے۔ اس طرح ان دونوں کے جسموں میں لاتعداد ٹھوکریں لگیں۔ کئی بار وہ لوگوں کی لپیٹ میں آ کر گرے لیکن عمران فیاض کو کھڑا نہ ہونے دے رہا تھا۔

آخر گونج ختم ہو گئی۔

لیکن اب چیخیں اور آہیں اور بڑھ گئی تھیں اس کے ساتھ ہی آگ

کی تپش بڑھتی جا رہی تھی۔ کئی بلڈنگیں جل رہی تھیں۔ بڑی بڑی دکانوں میں آگ لگ گئی تھی۔ اور آگ اتنی زبردست تھی کہ بجھائے نہ بجھ سکتی تھی۔ عمران نے

عمران نے اوپر دیکھا۔ سرخ روشنی اب نہیں تھی! وہ شاید زیادہ سے زیادہ تیس سیکنڈ رہی تھی۔ لیکن اس نے جو تباہ کاری پھیلائی وہ پچاس طیاروں کی بمباری سے بھی نہیں پھیل سکتی تھی۔

درجنوں کاریں تباہ ہو گئی تھیں اور عمارتیں دھڑا دھڑ جل رہی تھیں نہ جانے کتنے افراد موت کا شکار ہوئے تھے۔

کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ خود عمران بھی ابھی تک کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ اس نے صرف وہ سرخ روشنی دیکھی تھی۔ کیسی تھی کہاں سے آئی تھی اس کے بارے میں اسے کچھ نہیں معلوم تھا۔

اس نے فیاض کو سہارا دے کر کھڑا کیا۔ فیاض کی ٹانگیں لرز رہی تھیں

"سنبھلو سپر۔ ورنہ گر جاؤ گے" عمران نے اس کا بازو تھپتھپایا۔

"مم۔ مگر یہ سب کچھ کیا ہوا۔ یہ کیا تھا۔!"

"ابھی تو کوئی نہیں بتا سکے گا۔ آؤ۔ گاڑیاں دیکھیں۔ میرا خیال ہے تباہ ہو چکی ہوں گی۔" عمران نے کہا اور فیاض کا بازو پکڑ کر کاروں کی طرف بڑھ گیا۔ تباہی ان کے اندازے سے کہیں زیادہ ہوئی تھی پچھلی کاریں ان کی کاروں میں گھس گئی تھیں۔

ایک کار میں انہیں ایک شخص زخمی نظر آیا۔ اور دونوں مل کر اسے نکالنے لگے۔ بمشکل وہ اسے اسٹیرنگ کے پیچھے سے نکال سکے۔ لیکن اس نے ان

کے ہاتھوں میں ہی دم توڑ دیا۔

"کیا۔ کیا یہ قیامت ہے عمران!" فیاض لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ عمران نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور پھر وہ فیاض کو جلتی ہوئی عمارتوں سے ہٹا کر دور لے جانے لگا۔

اب فائر انجنوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ لیکن سڑک پر جگہ جگہ پڑی ہوئی لاشوں اور زخمیوں کی وجہ سے وہ زیادہ تیزی سے نہیں آسکتے تھے۔ لوگ اس وقت دوسرے لوگوں کی جانیں بچانے کے بجائے اپنی جان بچا کر بھاگ رہے تھے۔ ورنہ وہ آگ کے درمیان پھنس جاتے جو اب چاروں طرف سے لپک رہی تھی۔

"کیا خیال ہے سو پر زندگی داؤ پر لگانے کے موڈ میں ہو۔؟" عمران نے فیاض کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"ان زخمیوں کو سڑک سے اٹھا کر ایک جگہ جمع کریں گے تاکہ ہسپتال کی گاڑیاں انہیں جلد از جلد اٹھا لے جائیں اور اس کے علاوہ فائر انجنوں کو آگے بڑھنے میں آسانی ہو۔!"

فیاض نے گردن ہلا دی اور پھر وہ دونوں آگ بھول گئے۔ فیاض کے اندر بھی نہ جانے کون سا جذبہ عود کر آیا۔ وہ بھی عمران کے شانہ بشانہ کام کر رہا تھا۔ اور ان کی دیکھا دیکھی کچھ دوسرے نوجوان بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔

جلنے والی عمارتوں میں بے شمار لوگ پھنس گئے تھے۔ عورتیں اور بچے کھڑکیوں میں کھڑے چیخ رہے تھے کیونکہ ان کے دروازے آگ کی لپیٹ میں تھے۔ چند لمحات میں ایسی قیامت برپا ہو گئی تھی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سینکڑوں افراد لقمۂ اجل بن گئے تھے اور سینکڑوں زخمی ہو کر زندگی موت کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور ابھی کسی کو یہ بات نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ یہ سب کچھ ہوا کس طرح! کوئی نہیں جانتا تھا۔

انتظامیہ نے انتہائی تدبر کا ثبوت دیا۔ فوری طور پر ایسے انتظامات ہو گئے کہ بدعنوانیاں نہ ہوں۔ پولیس کے درجنوں ٹرک چاروں طرف پھیل گئے اور پولیس اپنے فرائض انجام دینے لگی۔ زخمیوں کو ٹرک میں بھرا جانے لگا اور اس کے ساتھ ہی آگ بجھانے کی ترکیب بھی ہونے لگی۔

●

سر سلطان کے چہرے پر گہرے رنج و غم کی لکیریں نمایاں تھیں۔ انہوں نے سنجیدگی سے عمران کا استقبال کیا۔ اور پھر اس کے چہرے پر کئی جگہ چپکے ہوئے ٹیپ دیکھ کر بولے۔

"تو تم نے حسب معمول اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے۔"

"میں اتفاق سے اس علاقے میں موجود تھا۔"

"اوہ۔ تب تو تم . . . . .

"افسوس میں بھی ابھی واقعات سے اتنا ہی لاعلم ہوں جسقدر دوسرے لوگ"

"سرکاری طور پر بھی کچھ معلومات نہیں حاصل ہو سکیں"

"قطعی نہیں صرف اتنی معلومات مجھے حاصل ہیں جو اخبارات میں موجود ہیں

"یقیناً حالات ہی ایسے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک خواب معلوم ہوتا ہے ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہوا کیونکر ہوا اور اس کا مقصد کیا ہے۔

"سر سلطان ٹھنڈی سانس لے کر بولے!"

"صرف ایک بات معلوم ہے۔ عمران نے کہا۔

"کیا۔۔۔؟ سر سلطان چونک پڑے۔

"سب کچھ خود بخود نہیں ہو گیا۔ اس کے پیچھے کوئی تخریبی قوت ہے۔ کوئی خوفناک تخریبی قوت۔!

"بیشک! مگر کیوں، یہ درندگی کس مقصد کے تحت ہوئی ہے۔

"اس سلسلہ میں کیا رپورٹ ملی ہے۔

"مکمل فائل مہیا کرنے کے بعد ہی میں نے تمہیں فون کیا تھا۔ ویسے خود تم نے کیا دیکھا۔؟"

عرض کر چکا ہوں کہ میرے لیے وہ سب اچانک تھا۔ ذہن بالکل غیر حاضر تھا اس لیے کچھ نہیں سمجھ سکا۔ جب ہوش آیا تو لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی کراہ رہے تھے سب کچھ بھول کر ان میں مصروف ہو گیا۔

"صورت حال ہی ایسی تھی۔ بہر حال کچھ لوگ ایسے مل سکتے ہیں جنہوں نے کچھ بتانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن وہ کیا ہے یہ نہیں سمجھ سکا۔ نہ صرف میں

بلکہ کوئی نہیں سمجھ سکا۔

سر سلطان نے فائل کھول دیا۔ ٹریفک انسپکٹر سہیل فاروقی نے جو خود بھی کافی زخمی ہے بتایا ہے کہ وہ ٹریفک سگنل کے قریب ٹریفک چیک کر رہا تھا۔ ٹریفک سگنل حسب معمول کام کر رہا تھا۔ اس بار اس نے سبز روشنی بند کر کے ایک رخ کو سرخ سگنل دیا۔ لیکن سرخ روشنی معمول سے کہیں زیادہ تیز تھی۔ اتنی تیز کہ فضا چند لمحات کے لیے سرخ ہو گئی۔ اس کے علاوہ وہ روشنی گھوم رہی تھی — اور — روشنی کی زد میں جو چیز آئی فنا ہو گئی۔ جتنے انسان اس کی زد میں آئے کوئلے میں بدل گئے۔ یہی شکل عمارتوں کی ہوئی تھی۔ روشنی اوپر نیچے بھی ہو سکتی تھی تیس سیکنڈ تک تباہی پھیلی۔ اور اس کے بعد ہنگاموں سے تباہی ہوئی۔ کاریں بسیں اور دوسری گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ بلڈنگوں میں آتشزنی ہوئی۔ مرنے والوں کی تعداد چار سو سے اوپر ہے۔ تقریباً دو ہزار افراد زخمی ہوئے ہیں۔

عمران کو وہ سرخ روشنی یاد تھی جو اس کے سر سے گذری تھی یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ بچ گیا۔ لیکن یہ بات کتنی حیرت انگیز تھی کہ ٹریفک سگنل کی روشنی سے اتنی تباہی پھیلی۔

"ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا کہ روشنی کیسی تھی — ؟"

پورا علاقہ پولیس کے کنٹرول میں ہے۔ بلڈنگوں سے لاشیں ابھی مکمل نہیں ہو سکی ہیں۔ پولیس فائر بریگیڈ اور دوسرے محکمے کام کر رہے ہیں۔

ٹریفک سگنل کی حفاظت کا انتظام کیا گیا — ؟ عمران نے پوچھا۔

"کیا گیا تھا۔ پولیس نے اس کے چھ چھ گز کے فاصلے پر گھیرا ڈال دیا تھا لیکن پولیس کے گھیرا ڈالنے کے دو گھنٹے کے بعد اچانک پورا سگنل موم کی طرح بہہ گیا۔ اس کے شیشے یہاں تک کہ پتھر کا چبوترہ بھی گل گیا۔ سرخ کھولتے ہوئے لوہے اور پتھر سے قریب دیوار کی کافی زمین میں گڑھا پڑ گیا تار کول دور دور تک پگھل گیا ہے! سر سلطان نے تفصیل بتائی اور عمران کی پیشانی پر رگیں ابھر آئیں

بات معمولی نہیں تھی۔ ان حالات کو اتفاق نہیں کہا جا سکتا تھا۔ چند منٹ خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

اس سلسلہ میں ٹریفک سگنل اور الیکٹرک کے ماہرین نے کوئی رائے دی ہے

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ابھی تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سب ہوا کیا ہے اگر حالات کسی حد تک سمجھ میں آ جائیں تو پھر کس لائن پر کام کیا جائے۔ سر سلطان نے جواب عمران نے جواب لگا — اور سر سلطان کے چہرے پر غور و فکر کے آثار پھیل گئے۔

"پھر انہوں نے گردن اٹھائی۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم بات کا تذکرہ اور کرنا چاہتا تھا۔

"جی —!

"عمران چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ اور سر سلطان نے کوٹ کے اندرونی جیب سے ایک تہہ کیا ہوا موٹا کاغذ نکال لیا۔ یہ شاید کسی دستاویز کی فوٹو کاپی تھی —!

یہ خط براہ راست انسپکٹر جنرل کو موصول ہوا تھا۔ جسے اس وقت انسپکٹر جنرل نے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ تاہم انہوں نے اپنے طور پر اس کی فوٹو اسٹیٹ ہوم آفیسرز کو بھی بھیج دی تھیں۔ اور یہ انہی کاپیوں میں سے ایک ہے۔

عمران نے فوٹو اسٹیٹ کاپی لے لی اور اسے کھول کر دیکھنے لگا۔

ٹائپ کی ہوئی تحریر تھی۔

"ڈیر آئی جی ——!"

ہم ——دنیا کے اہم ترین انسان' —— اس دنیا کو خوش و خرم دیکھنا اور اس کے پھلنے پھولنے کے متمنی ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ دنیا میں رہنے والے ایک ایک انسان کی زندگی کی کوئی قیمت ہو۔ ہر شخص ایک دوسرے کو زندہ دیکھنے کی تمنا رکھتا ہو۔ لیکن موجودہ حالات میں یہ کیسے ممکن ہے۔ انسانی آبادی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ فطری طور پر انسان انسان سے بیزار ہو گیا ہے، نہ اتنی آبادی ہوتی نہ اتنے مسائل ہوتے۔ بھوک بے روزگاری بیماریاں حادثے سب کچھ آبادی میں اضافے کے سبب پیدا ہوئے ہیں۔ کوئی انسان خوش نہیں ہے، کسی کو سکون نہیں ہے۔ اور نتیجے میں ابتری پھیلی ہوئی ہے کیا آپ اور دنیا کے دوسرے عقل مند یہ بات پسند نہیں کریں گے۔

کہ یہ ابتری دور ہو ——!

ہمارے خیال میں ہر محب انسانیت یہ بات پسند کرے گا کہ انسان سکون و آشتی سے رہے۔ انسان کی نگاہ میں دوسرے انسان کی قیمت ہو قدر

ہو — اس سے محبت ہو — !

لیکن ہم پھر کہیں گے کہ یہ موجودہ صورت میں ممکن نہیں ہے۔ آج کا انسان جانتا ہے کہ اس کے دکھ کی وجہ اس جیسا دوسرا انسان ہے۔ نہ وہ خوش رہ سکتا ہے نہ اس دوسرے انسان کو خوش رہنے دے سکتا ہے۔

ہمارے دلوں میں اس دکھی انسانیت کا بہت درد ہے۔ نسل آدم کی اس بے بسی پر ہم خون کے آنسو روتے ہیں۔ برس ہا برس سے ہم غور و خوض کر رہے ہیں کہ انسانیت کے اس دکھ کو کیسے دور کیا جائے۔

اور آخر — ہم نے ایک لائحہ عمل تیار کر ہی لیا۔

ڈیر انسپکٹر جنرل۔

نسل انسانی کو یہ مژدہ سنا دو کہ اب انسانیت کی تکمیل قریب ہے۔ اب کوئی انسان دکھی نہیں رہے گا — ! انسانیت کی بہبود کا فارمولا تیار کر لیا گیا ہے۔ اور اس فارمولے کے مکمل ہونے کے بعد انسانیت کو سکون ہو گا — ہر شخص پر سکون زندگی بسر کرے گا۔

اور اب ہم آپ کو اس فارمولے کے بارے میں بتاتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ انسانوں کی صرف اتنی تعداد باقی رہنا چاہیئے۔ جس کا بوجھ یہ دنیا برداشت کر سکے۔

زیادہ انسانوں کی وجہ سے سکون ختم ہو گیا ہے۔ انسانوں کی کمی دنیا کو سکون دے گی۔ لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ قربانی دینے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے ہمیں بتایئے انسپکٹر جنرل کہ کیا

اپنے پڑوسی کو خوشحال رکھنے کے لیے کوئی اپنی زندگی قربان کر سکتا ہے کبھی نہیں۔ البتہ آپ پڑوسی کو ختم کر سکتے ہیں۔ اگر دنیا کے انسانوں کو اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی بہتر زندگی کے لیے دوسرے کو ختم کر دیں تو جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

ایک خوفناک تباہی اور بربادی ـــ اور نوبت یہاں تک پہنچ سکتی ہے کہ دنیا انسانوں سے خالی ہی ہو جائے!

چنانچہ یہ فارمولا غلط ثابت ہوگا ـــ!

لیکن ہم نے اس کا نعم البدل تلاش کر لیا ہے!

ہم محبان انسانیت یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ انسانیت کی بقا کے لیے ہم ایک کام انجام دیں گے۔ ہم رضاکارانہ طور پر انسانوں کو قتل کر دیں گے اور ایک بھرپور تعداد کے ختم ہو جانے کے بعد جو انسان زندہ بچیں گے وہ کس قدر خوشحال زندگی بسر کریں گے!

"اور اس پروگرام کی ابتدا ہم آپ کے شہر سے کر رہے ہیں ـــ!"

فخر کریں اس بات پر کہ آپ کا ملک وہ پہلا ملک ہوگا جو انسانیت کی بقا کی تحریک میں عملی حصہ لے گا۔ آپ کے شہر کے لوگ ان خوش نصیبوں میں ہوں گے جو شہر انسانیت کہلائیں گے۔

ڈیئر انسپکٹر جنرل۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر تحریک پہلے مشکل مراحل سے گزرتی ہے۔ ممکن ہے ہمارا فلسفہ ابھی دنیا کی سمجھ میں نہ آئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد دنیا ہم سے مکمل اتفاق کرے گی۔

"اس لیے ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی ہم سے تعاون کریں۔
ہم بہت جلد اپنے کام کی ابتدا کرنے والے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ ہماری راہ میں روڑے اٹکانے کے بجائے ہمارے ساتھ تعاون کریں تاکہ ہم اس عظیم پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے پروگرام کی ابتدا میں ہمارا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔
ہم نے اپنی درخواست آپ تک پہنچا دی ہے۔ اب درست فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔" ہم تو طوفان کے مسافر ہیں جن کا راستہ روکنے کی کوشش حماقت کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگی۔ طوفان پر بند نہیں باندھے جا سکتے۔ انسپکٹر جنرل اس بات کا خیال رکھنا۔
اسی مناسبت سے ہم نے اپنے گروہ کا نام "طوفان کے مسافر" رکھا ہے۔
انسانیت زندہ باد۔
خوشحالی انسانیت پائندہ باد" "طوفان کے مسافر"
عمران نے یہ طویل خط ختم کیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرات نمودار ہو گئے تھے۔
یہ کون دیوانے تھے، کون پاگل تھے۔ کیا کرنا چاہتے تھے۔ ان کی اس منطق میں کیا راز تھا۔ کیا یہ خط درحقیقت کوئی مذاق ہے اگر اس میں سنجیدگی ہے تو بلاشبہ یہ پاگل دیوانے انسانیت کے لیے بہت بڑا خطرہ بن سکتے تھے۔

اس خط کی روشنی میں اگر وہ تباہی دیکھی جاتی، تو خط کا ایک ایک حرف خوفناک تھا۔

"اور اگر خط اور تباہی کا کوئی رابطہ نہیں ہے تو پھر یہ سب کیا ہے! کافی دیر تک عمران خط کے الفاظ پر نظریں دوڑاتا رہا۔ کوشش کے باوجود خط نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔!

"اسے میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اس نے سر سلطان سے کہا۔"

"پورا فائل ہی اپنے پاس رکھو۔ ظاہر ہے یہ کیس پولیس کے بس کا نہیں ہے۔ اس سے قبل کہ یہ براہ راست تمہارے پاس آئے تمہیں اس سلسلہ میں کارروائی شروع کر دینی چاہیئے۔"

"ٹھیک ہے۔ اس میں کہنے کی کیا بات ہے۔ مگر میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔" عمران پر خیال انداز میں بولا۔

"کیا ــــ؟"

سر سلطان سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"اگر خدانخواستہ یہ خط مذاق نہیں ہے۔ اور اس تباہی سے اس کا تعلق ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ یہ صرف ابتدا تھی ابھی اور کچھ ہو گا۔!"

"میں نے خود بھی یہی سوچا تھا عمران ــ لیکن ممکن ہے اس تحریر سے پولیس کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی گئی ہو۔ اصل مقصد کچھ اور ہو ــ!"

"بظاہر اس خوفناک حادثے کا کوئی مقصد سمجھ میں نہیں آیا کسی مخصوص چیز کو تباہ نہیں کیا گیا ہے۔ بس قتل عام ہوا ہے اور یہی بات مجھے خطرے کا احساس دلا رہی ہے

"کیا مطلب؟"

وہ دیوانے اگر خط کے مطابق خیالات رکھتے ہیں تو بلاشبہ جب تک انہیں ہلاک کیا جائے گا نہ جانے کتنا جانی اور مالی نقصان کر چکے ہوں گے۔ ٹریفک سگنل کے ذریعے جس طرح تباہی پھیلائی گئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زبردست سائنسی قوتیں بھی رکھتے ہیں غور کریں ان کے سائنسی حربوں کو اور ایسے پراسرار حربوں کو روکنا کس قدر مشکل کام ہوگا۔!"

"ہاں۔ یہ جرم کا بڑا انوکھا انداز ہے۔ بہرحال عمران انسانیت خطرے میں ہے تمہیں ہنگامی طور پر اقدامات کرنے ہوں گے اور میرا خیال ہے ناصر کے لیے بھی یہ بہت بڑا چیلنج ہے۔ کیا ناصر اس چیلنج کو قبول نہیں کرے گا۔ اس کے ملک میں کچھ پاگل سائنسدان تباہی پھیلائیں اور وہ خاموش رہے۔"

"میں ناصر سے بات کروں گا! اجازت دیجیے! عمران نے کہا اور پھر وہ سر سلطان سے رخصت ہو کر باہر نکل آیا۔

- - - - - - - - - -

●

ہیلی کاپٹر بنڈونگ کالج کے لان پر اتر گیا۔ ناصر کے تمام ماتحت اس کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔

انہیں کے ساتھ عمران بھی تھا۔ پروفیسر ڈارک اپنے کمرے میں ہی تھے ان کے لیے یہ بات بور کرنے کے لیے کافی تھی کہ عمران کے ایک اشارے

پر ناصر جزیرے سے دوڑا چلا آئے۔

ہیلی کاپٹر کے اترتے ہی ناصر عمران کی طرف بڑھا۔

"ہیلو عمران صاحب! خیریت۔۔!"

"خیریت نہیں ہے۔ ورنہ تمہیں تکلیف نہ دیتا۔" عمران نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا اور ناصر چونک پڑا۔

"شکریہ۔ آپ لوگ آرام کریں۔ ضرورت ہوگی تو بلوا لوں گا!" اس نے ماتحتوں سے کہا۔ اور عمران کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف بڑھ گیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

پھر ایک کمرے میں بیٹھ کر اس نے عمران سے صوفے پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ اور خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"آپ کا لہجہ میرے لیے بالکل اجنبی ہے عمران صاحب! میں اس کی وجہ جاننے کے لیے بے چین ہوں۔"

"شہر کا ایک حصہ جہنم کا نمونہ بن چکا ہے۔ سینکڑوں انسان بے بسی کی موت مر گئے۔ ہم ان کے لیے کچھ نہیں کر سکے اور خدشہ ہے ابھی اور قیامت نازل ہوگی۔ اور لوگ مریں گے۔ شیطانوں کو آزادی مل گئی۔ مصیبت یہ ہے کہ فوری طور پر ہم بھی بے بس ہیں اور اس بے بسی نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب! کیا آپ کے چہرے پر چپکے ہوئے ٹیپ بھی ایسی ہی صورت حال سے تعلق رکھتے ہیں۔" ناصر نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔ بدقسمتی سے میں بھی اسی وقت وہیں موجود تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دردناک مناظر دیکھے ہیں۔"

"براہ کرم تفصیل بتائیں۔ کہاں کی بات ہے۔ کب کی بات ہے۔!"

"ناصر نے بے چینی سے کہا۔"

"آج کی۔ اب سے چند گھنٹوں قبل کی۔! آج کی صبح وہ لوگ سکون سے اٹھے ہوں گے۔ انہیں گمان بھی نہ ہوگا کہ یہ صبح ان کی زندگی کی آخری صبح ہے اور اب وہ بے بسی کی موت کا شکار ہو گئے ہیں۔!

"میں نے پہلی بار آپ کو اس قدر غمگین دیکھا ہے۔ عمران صاحب! براہ کرم تفصیل بتائیں۔

ناصر بہت زیادہ پریشان ہو کر کہنے لگا۔

اور عمران نے اسے مکمل صورت حال بتا دی اس کے بعد اس نے وہ خط نکال کر ناصر کو دے دیا اور ناصر خط کا مطالعہ کرنے لگا۔ خط پڑھنے کے دوران اس کے چہرے پر تعجب کے آثار تھے اور خط ختم کرنے کے بعد ایک عجیب سی کیفیت!

کئی منٹ خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

"آپ کو یقین ہے کہ یہ خط کسی پاگل کی بڑ نہیں ہے!

"شاید یقین ہوتا۔ لیکن اس خوفناک اور بے مقصد واقعہ کے بعد اسے نظر انداز کرنے کو دل نہیں چاہتا۔

"درست ہے۔!

ناصر پُرخیال انداز میں بولا اور پھر اس نے صوفے کے ہتھے پر لگے ہوئے ایک بٹن کو آن کر کے کہا۔

افضل۔ کار نکلوا دو۔ انکل کہاں ہیں۔؟

بہت بہتر جناب۔

پروفیسر اپنے کمرے میں ہیں یا میں انہیں بھیج دوں؟"

افضل نے پوچھا۔

"نہیں۔ بس ایسے ہی پوچھا تھا۔!" تم گاڑی نکلوا دو۔"

ناصر نے کہا۔

اور بٹن آف کر کے اٹھ گیا۔!"

"آیئے ہم اس علاقے کا معائنہ کریں گے!" اس نے کہا۔ اسی وقت بڑے میاں اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے شاید ناصر کے آخری الفاظ سن لیے تھے جو اس نے افضل سے پروفیسر کے بارے میں کہے تھے۔!

"ہوں۔ تو اب میں ایسی شخصیت بن کر رہ گیا ہوں کہ میرے بارے میں ایسے ہی پوچھا جاتا ہے۔!

وہ طنزیہ انداز میں بولے۔

"کیا حال ہے انکل۔ میں نے سوچا آپ کو کہاں تکلیف دوں! ناصر نے رسمی انداز میں کہا۔

"تکلیف تو میرے آنے سے ان صاحبزادے کو ہوئی ہو گی۔ ظاہر ہے اب یہ کھل کر گفتگو نہ کر سکیں گے۔

"بڑے میاں طنزیہ انداز میں بولے۔"

کوئی رومانی گفتگو نہیں تھی پروفیسر آپ خواہ مخواہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔

"عمران نے کہا۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہا۔ اپنی زہریلی آواز کو میرے کانوں تک آنے سے روکا کرو سمجھے۔!

بڑے میاں غصیلے انداز میں بولے۔

"کیا بکواس ہے انکل آپ کی کھوپڑی آؤٹ کیوں رہتی ہے! ناصر ناخوشگوار انداز میں بولا۔

"اس لیے کہ تم دونوں نے میرے خلاف گٹھ جوڑ کر رکھا ہے تم مجھے احساس کمتری میں شکار کرنا چاہتے ہو۔ لیکن۔۔۔۔

"میرے پاس فضول بکواس سننے کے لیے وقت نہیں انکل پھر تفصیل سے گفتگو کروں گا۔

ناصر نے دروازے کی بڑھتے ہوئے کہا۔ اور بڑے میاں تلملا کر رہ گئے بہرحال وہ بولے کچھ نہیں۔ اور ناصر عمران کے ساتھ کمرے سے نکل آیا۔

"بڑھاپے نے پاگل کر دیا ہے عمران صاحب۔ آپ ان کی باتوں کا برا نہ منائیں۔" ناصر نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے معذرتی انداز میں کہا۔

"اوہ۔ کیا بات کر رہے ہو۔ وہ تو کھلونا ہیں۔ عمران نے کہا اور ناصر مسکرانے لگا۔ پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"پاگلوں کے گروہ سے دنیا بھری پڑی ہے۔ عمران صاحب یہ پاگل

فرعون، نمرود اور شداد بھی ہوتے ہیں۔ اور موجودہ دور میں دنیا کی اصلاح اس انداز میں کرنے والے بھی۔ ان خطرناک پاگلوں کی وجہ سے نقصانات ضرور ہوتے ہیں لیکن ان میں سے ایک کی بھی خواہش پوری ہوئی اور نہ ہو گی۔ چنانچہ انہیں ذہنی طور پر طاری کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ ذہین کو پوری طرح چاق و چوبند رکھ کر ان کی سرکوبی کے لیے تیار کرنا چاہیے۔

"اپنے پستول کی گولی کے زخم سے تڑپتے ہوئے کسی مجرم کو دیکھ کر مجھے دلی فرحت حاصل ہوتی ہے لیکن سڑک کے کسی حادثے میں کسی انسان کی ضائع ہونے والی ایک ٹانگ کا بھی مجھے دلی رنج ہوتا ہے ناصر!" عمران نے کہا۔ اور ناصر گردن ہلانے لگا۔

"ہاں بھیا میں آپ سے متفق ہوں۔" اس نے کہا اور دونوں خاموشی سے کچھ سوچنے لگے۔ پھر اس وقت تک خاموشی طاری رہی جب تک وہ دونوں اس علاقے میں نہ پہنچ گئے۔ جہاں وہ خوفناک حادثہ ہوا تھا۔

اس علاقے میں تیزی کی وہی کیفیت تھی۔ کرینیں کام کر رہی تھیں۔ جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ جائے حادثہ سے دور لوگوں کا ہجوم تھا وہاں رہنے والوں کے عزیز و اقارب بین کر رہے تھے پولیس بار بار انہیں وہاں سے ہٹا دیتی۔ لیکن دل کی آگ ایسے ہی تو سرد نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ ان لوگوں کو کیسے بھول جاتے جن کی لاشیں اب بھی عمارتوں کے ملبے میں دبی ہوئی تھیں۔ ناصر نے کار روک دی اور دور سے یہ مناظر دیکھتا رہا۔

"اندر چلو۔ اگر قریب سے دیکھنا چاہتے ہو۔" عمران نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے عمران صاحب۔ مگر ہاں۔ اور ناصر اچانک خاموش ہو گیا"
"کیوں ۔۔؟"
"آیئے۔ اس ٹریفک سگنل پر ضرور چلیں گے۔ جہاں سے یہ تباہی پھیلائی گئی ہے
میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ گل گیا ہے۔"
"ہاں۔ پھر بھی کیا حرج ہے۔ بلکہ اس کا تھوڑا سا حصہ بھی مل سکے تو بہت
اچھی بات ہے۔ آیئے۔ وہ کار سے اتر کر آگے بڑھ گئے۔ ایک پولیس آفیسر
نے ناصر کو کندھے سے پکڑ کر روکا اور وہ غصیلے انداز میں پلٹ پڑا۔
"کیا بات ہے؟" اس نے سخت نظروں سے انہیں دیکھ کر پوچھا۔
"میرا نام ناصر آفریدی ہے۔ ٹریفک سگنل کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"ناصر نے نرم لہجے میں کہا اور پولیس آفیسر کے چہرے پر بدحواسی پھیل گئی۔
"معاف فرمائیے گا جناب۔ در۔ دراصل تت تشریف لائیے تشریف
لائیے۔ اور ناصر اور عمران آگے بڑھ گئے۔ ٹریفک سگنل کے پاس بہت
سے بڑے بڑے افسر موجود تھے۔ اس کے علاوہ کچھ سرکاری انجینئر اور
سائنس داں بھی موجود تھے۔ ناصر کے وہاں جاتے ہی کھلبلی مچ گئی اس کا
نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ اور وہ لوگ اس سے تبادلہ خیال
کرنے لگے۔

"بدقسمتی سے میں جزیرے پر تھا۔ عمران صاحب نے مجھے اطلاع دی
تو میں آگیا۔ میں بھی ان حالات سے اتنا ہی لاعلم ہوں۔ جتنا آپ لوگ
ہاں اگر اس کا تھوڑا سا ملبہ مجھے مل جائے تو میں اپنے طور پر اس کا تجزیہ کر لوں۔"

"اوہ۔ ضرور جناب۔ خدا کا شکر ہے آپ اس معاملے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ اب یہ معمہ ضرور حل ہو جائے گا۔" ایک سائنس داں نے کہا۔ اور بگھیں کر بہنے کے بعد دوبارہ جم جانے والی ٹریفک سگنل کے ملبے کا ایک ٹکڑا اکھاڑ کر ناصر کے حوالے کر دیا گیا۔

ناصر نے تھوڑی دیر تک قرب و جوار کا معائنہ کیا اور پھر وہ ان لوگوں سے اجازت لے کر واپس چل پڑا۔ عمران بالکل خاموش تھا۔ راستے میں بھی ناصر سے کوئی بات نہ ہو سکی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس بنڈونگ کالج پہنچ گئے۔

"اب کیا پروگرام ہے ناصر۔" عمران نے پوچھا۔

"میں اس کا تجزیہ کروں گا۔ اگر آپ پسند کریں تو میرے ساتھ شریک رہیں۔ ورنہ پھر صبح کو آپ کو رپورٹ پیش کروں گا۔"

"میرا خیال ہے آپ یکسوئی سے کام کریں۔ میں آپ کی رپورٹ کا منتظر رہوں گا۔" عمران نے کہا۔

"بہت بہتر۔ آپ کہاں جائیں گے۔ میرا مطلب ہے فلیٹ پر ہی۔"

"ہاں تم وہیں مجھ سے رابطہ قائم کرو گے۔"

"ٹھیک ہے۔" ناصر نے گردن ہلا دی اور عمران اس سے مصافحہ کر کے باہر نکل آیا۔ باہر اس کی کار موجود تھی۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور چل پڑا۔

ذہن میں ابھی تک ہانڈی سی پک رہی تھی۔ سینکڑوں بے گناہوں کی دلدوز چیخیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ ان میں بے شمار آوازیں تھیں۔ جو

اپنی مظلومیت کی داستان سنا رہی تھیں۔

یہ داستان پھر نہ دوہرائی جائے۔ اس کا انتظام اس کا فرض ہے۔ عمران کے ضمیر نے اسے ہدایت دی اور کار کا رخ ہسپتال کی طرف ہو گیا۔ ہسپتال پہنچ کر وہ زخمی مظلوموں کے بارے میں معلومات کرتا رہا۔ اور پھر رات کو دو بجے کے قریب فلیٹ پر پہنچا۔

بستر کانٹوں کا بستر معلوم ہو رہا تھا۔ حالانکہ وہ سینکڑوں المناک حادثات سے دوچار ہو چکا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں ذہن اس وقت کچھ زیادہ ہی متاثر تھا۔ لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد وہ بستر پر لیٹ گیا تھا۔ تیز روشنی بھی بجھا دی تھی۔ لیکن نیند کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

اور پھر۔ اس وقت رات کے ساڑھے تین بجے تھے جب ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔

اس نے جلدی سے رسیور اٹھا لیا اور دوسری طرف سے ناصر کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو عمران صاحب۔"

"کیا بات ہے ناصر۔؟ عمران نے جلدی سے پوچھا۔

"کچھ کام کرنا ہے۔ تکلیف نہ ہو تو میں آپ کو بھی تکلیف دوں۔"

"کیا مطلب؟

"عمران نے حیرت سے کہا۔"

"میں بہرام اسٹریٹ کے تیسرے چوراہے کے نزدیکی ٹیلیفون بوتھ

سے بول رہا ہوں۔ کیا آپ فوری طور پر بہرام اسٹریٹ پہنچ سکتے ہیں اور ہاں اگر تکلیف نہ ہو تو اپنے تمام ماتحتوں سے بھی یہی کہہ دیں کہ وہ بہرام اسٹریٹ کے تیسرے چوراہے پر پہنچ جائیں۔

"اوہ۔ کوئی خاص بات ہے؟"

"بہت ہی خاص۔!"

"ٹھیک ہے۔!"

عمران نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کے بعد خود ہی پھر کریڈل رکھ دیا۔ کہ جولیا کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ جولیا ظاہر ہے سو رہی تھی اس لیے دو منٹ کے بعد فون اٹھایا گیا۔

"میں اپنے ماتحتوں کی نیند اتنی گہری نہیں دیکھنا چاہتا۔" عمران غرایا۔

"معذرت خواہ ہوں جناب۔" جولیا کی لرزتی آواز سنائی دی۔

"چند منٹ کے اندر اندر انہیں بہرام اسٹریٹ کے تیسرے چوراہے پر ہونا چاہیئے۔ عمران وہاں ان کا منتظر ہے۔ عمران کے ساتھ کچھ دوسرے لوگ بھی ہوں گے۔ اس لیے اس سے گفتگو کرنے میں احتیاط رکھی جائے ویسے ان دوسرے لوگوں کے سامنے آنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔!"

"میں ابھی ہدایات دے رہی ہوں۔"

جولیا نے کہا لیکن عمران اس کا جملہ پورا کرنے سے قبل رسیور رکھ چکا تھا۔

پھر اس نے بستر سے چھلانگ لگا دی۔ صرف ایک منٹ میں لباس تبدیل کیا۔

سلیمان کو اٹھانے کی ضرورت اس نے محسوس نہیں کی تھی چنانچہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

اور چند لمحات کے بعد اس کی کار فراٹے بھر رہی تھی۔

٭ - - - ٭ - - - ٭

●

بہرام اسٹریٹ کے تیسرے چوراہے پر ناصر کی کار صاف نظر آ رہی تھی اس نے سرخ روشنیاں جلا رکھی تھیں۔ تاکہ دور سے ہی اس کی موجودگی کا اندازہ ہو جائے۔

عمران نے اس کی کار کے قریب پہنچ کر اپنی کار روک دی اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

ناصر تنہا ہی تھا! اس نے گرم جوشی سے عمران سے مصافحہ کیا اور عمران سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"چور پکڑے گئے عمران صاحب!"

ناصر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم جیسے پولیس والے کی نظروں سے چور کہاں بچ سکتے ہیں۔"

"عمران نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"لیکن اس کا اعتراف کرنا پڑے گا بے حد ذہین اور سائنسی امور میں کافی ماہر لوگ ہیں۔"

"میں تفصیل سننے کے لیے بے چین ہوں۔"

"میں نے رات کے کسی حصے میں بستر سے کمر نہیں لگائی ہے۔ ٹریفک سگنل کے پگھلے ہوئے ملبے سے میں نے ان ذرات کو نکال ہی لیا۔ جو اس پورے ہنگامے کے محرک تھے۔ اور پھر میں نکل پڑا اب تک تین ٹریفک سگنل کھول کر دیکھ چکا ہوں — اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان تینوں ٹریفک سگنلوں میں وہ مادہ رکھا جا چکا ہے۔ جس نے یہاں تباہی پھیلائی تھی۔"

"خدا کی پناہ — !" عمران کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں اس طرح تو وہ کمبخت پورے شہر کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ انہوں نے پورے شہر میں کام کر دیا ہے۔ بہرحال گرے اینڈ سنز کے تمام ممبر میں نے بلائے ہیں اور انہیں ان کا کام سمجھا دیا ہے۔ سیکرٹ سروس کے لوگوں کو بھی اسی کام پر مامور کرنا ہے۔ شہر بھر کے ایک بھی ٹریفک سگنل میں یہ مادہ نہ رہنا چاہیئے — !"

"میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا پوزیشن ہے — ؟"

"عمران نے کہا اور ناصر نے گردن ہلا دی۔

"پھر اس نے کار میں سے چند اوزار نکالے اور ٹریفک سگنل کھولنے لگا۔

صرف ایک ڈھکن کھول کر اس نے سرخ روشنی والا بلب نکال لیا۔ بلب کے پیچھے سلور کے رنگ کی ایک چوکور ڈبیہ سی لگی ہوئی تھی۔ جو تاروں کے ساتھ بلب کے پچھلے حصے سے لگی ہوئی تھی۔

ناصر نے وہ ڈبیہ نکال کر عمران کے ہاتھ میں تھما دی اور ڈبیہ عمران کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی کیونکہ اتنی سی ڈبیہ کے اتنے وزن کا گمان بھی نہیں تھا۔

"بہت وزنی ہے۔!"

"اس میں بھری ہوئی گیس جس قدر مہلک ہے اس کا اندازہ تو آپ لگا ہی چکے ہیں۔ اس کا وزن بھی دنیا کی ہر گیس سے زیادہ ہے۔ دراصل یہ کئی گیسوں کا مرکب ہے اور اسے بنانا انسان کا کام نہیں ہے یوں سمجھ لیں ایک ذرا سی غفلت اس لیبارٹری کو تباہ کر سکتی ہے جہاں یہ تیار ہوتی ہے ایٹم کے ذرات کتنے باریک ہوتے ہیں لیکن یہی خوف ناک ایٹمی ذرات مزید باریک کر کے ہوا میں تبدیل کیے گئے ہیں۔ اور ان کی گیس اس گیس میں شامل ہے۔"

"خوب"

"میرے کہنے کا مقصد ہے کہ یہ کام معمولی سائنس دان نہیں کر سکتے اسے کرنے والے بہترین وسائل رکھتے ہوں گے!"

"لیکن یہ گیس منتشر کیسے ہوتی ہے۔؟"

"عمران نے پوچھا

"ایک منٹ!" ناصر نے کہا۔

اور ڈبیہ کے ایک طرف کے حصے کو کسی ڈھکن کی طرح کھول دیا۔ اندر

تین سرخ بلب لگے ہوئے تھے جن کے دو تار آپس میں منسلک تھے۔"

یہ گیس بکس ریڈیو کنٹرول سسٹم سے کام کرتے ہیں کچھ مخصوص ویوز انہیں متحرک کرتی ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ بلبوں کا رنگ سرخ ہے اور آپ کے کہنے کے مطابق ٹریفک سگنل کی سرخ روشنی نے ہی تباہ کاری پھیلائی تھی۔ چنانچہ سرخ رنگ اس سلسلہ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اگر ٹریفک سگنل صحیح سلامت مل جاتا تو صاف دیکھا جا سکتا تھا کہ اس کا اصل شیشہ گل یا ٹوٹ گیا ہوگا۔ اور وہ روشنی براہ راست اس ڈبیہ سے نکل رہی تھی۔

"خوب! بہرحال اب کیا کرنا ہے۔"

"اب آپ اپنے ماتحتوں کو بھی اس سلسلہ میں سمجھا دیں اور ان سے بھی یہی کام لیں۔ اس سلسلہ میں انہیں بتا دیں کہ ان ڈبیوں کو حاصل کرتے ہی کسی چیز سے ان کے یہ تینوں سرخ بلب توڑ دیں اس کے بعد یہ ناکارہ ہو جاتی ہیں ہم اور آپ بھی یہی کام کریں گے تاکہ صبح ہونے سے قبل اس خطرے سے نجات ۔ ۔ ۔ ۔ ناصر کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ دور سے کچھ روشنیاں نظر آنے لگیں اور ناصر آہستہ سے بولا۔

"شاید آپ کے ماتحت آ گئے ہیں۔!"

"عمران آگے بڑھ آیا۔"

"آنے والے درحقیقت سیکرٹ سروس کے ممبر تھے۔" چونکہ وقت کم تھا اس لیے عمران نے سنجیدگی سے انہیں ٹریفک سگنل کے قریب لے جا کر ان کو

کام سمجھایا اور جب اچھی طرح یہ کام ان کی سمجھ میں آ گیا۔ تو وہ سب عمران کی ہدایت کے مطابق چل پڑے

"کیوں نہ ہم دونوں الگ الگ کام کریں۔ اس طرح زیادہ کام ہو سکے گا۔"

"مناسب ہے۔ اس کام سے فارغ ہو کر ناشتہ پر آپ کا انتظار کروں گا۔" ناصر نے کہا اور پھر وہ دونوں بھی مختلف سمتوں میں چل پڑے۔

سر سلطان نے خود بھی اس علاقے کا معائنہ کیا تھا۔ اور انہیں وہاں کے رہنے والوں کی زبوں حالی حالت پر بہت رنج ہوا تھا۔ مرنے والوں کی تعداد اندازے سے کئی گنا زیادہ تھی۔

ان بے گناہ انسانوں کی موت پر ان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا نہ جانے کون ظالم تھے جنہوں نے یہ حرکت کی تھی۔ ان کا مقصد کیا تھا۔ اگر یہ کام اس خط کے مطابق ہوا تھا۔ تو پھر تو بات کسی طرح قابو میں نہیں آ سکتی تھی۔ کیونکہ ان ذلیل انسانوں نے تو کوئی مطالعہ بھی نہیں رکھا تھا۔ وہ تو منطقی تھے بلکہ شاید پاگل کیونکہ ان کے سر میں تو دنیا کی آبادی کم کرنے کا سودا تھا۔!

"ایسے لوگوں کو کس طرح روکا جا سکتا تھا۔

پوری رات انہیں نیند نہ آئی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے انہیں خطرہ تھا کہ وہ اپنی کارروائی پھر نہ دوہرائیں۔ اگر انہوں نے یہ کارروائی دوبارہ

کی۔ تو معاملات قابو سے باہر ہو جائیں گے۔ اور عوام میں نہ جانے کون سی بے چینی پھیل جائے۔ لوگ نہ جانے کس انداز میں سوچنے لگیں۔

ایسے موقعوں پر افواہیں پھیلانے والوں کی بن آتی ہے اور حکومت کی مخالف پارٹیاں ایسے موقعوں سے فائدے اٹھاتی ہیں۔ لیکن کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔ ان مجرموں کے خلاف کون سی کارروائی کی جاتی۔

بے دے کر عمران ہی رہ جاتا تھا۔ لیکن وہ بھی آخر انسان ہی تھا سپر مین تو نہیں تھا کہ آنکھ بند کر کے ان لوگوں کا پتہ لگا لیتا اور ایک ایک کو کان سے پکڑ کر حکومت کے حوالے کر دیتا۔ وہ جانتے تھے کہ عمران پوری تندہی سے کام ضرور کر رہا ہوگا۔ لیکن فوری طور پر وہ ان لوگوں کے لیے کیا کر سکتا ہے۔ اندھیرے کے شہروں کو روکنا تو بہت مشکل تھا۔

پوری رات وہ اس سوچ میں ڈوبے رہے انہیں نہ صرف اپنی ڈیوٹی کا احساس تھا بلکہ انسانی ہمدردی بھی کوئی چیز تھی۔ وہ ان بے گناہوں کے لیے تڑپ رہے تھے۔

دوسری صبح اٹھے تو طبیعت بہت بوجھل تھی۔ ناشتہ وغیرہ بڑی بے دلی سے کیا اور پھر وقت پر آفس روانہ ہو گئے۔ راستے بھر وہی تکلیف رہی۔

پھر آفس میں اپنی میز پر بیٹھ کر انہوں نے سر جھٹک دیا۔ اس طرح ذہن پر برف پڑتی رہی تو دماغ ناکارہ ہو جائے گا۔ آنے والے حالات کا انتظار کیا جائے۔

ایک بار انہوں نے سوچا کہ عمران کو فون کر کے اس سے اس کی کارکردگی کے بارے میں پوچھیں۔ لیکن پھر یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ عمران کو یکسوئی سے

کام کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد اردلی نے مقامی ڈاک لا کر ٹرے میں رکھ دی اور سر سلطان سنبھل کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے دو تین خط اٹھائے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ انہوں نے ڈاک اسی طرح چھوڑ دی لیکن اچانک ان کی نگاہ سفید رنگ کے ایک لفافے پر پڑی جو دوسرے لفافوں کے نیچے دبا ہوا تھا۔

لیکن — اس پر ایک لفظ نظر آ رہا تھا۔ اور وہ تھا — مسافر!

ان کے ذہن میں ایک چھناکہ ہوا — "طوفان کے مسافر" انہوں نے سوچا اور جلدی سے اس لفافے کو نکال لیا۔ اندازہ درست تھا۔ مسافر کے پیچھے طوفان کے — بھی لکھا ہوا تھا۔

انہوں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں لفافہ کھولا اور اس کے اندر رکھا ہوا پرچہ نکال لیا۔ لرزتے ہوئے ہاتھوں سے انہوں نے پرچہ کھولا۔ اور اس پر ٹائپ کی ہوئی تحریر پڑھنے لگے!

"ڈیر ہوم سیکرٹری" کیا خیال ہے قیامت کا نمونہ کیسا رہا۔ ہاں وہ صرف نمونہ تھا۔ اصل قیامت تو اب آنے والی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے قبل کسی نے ایسی قیامت دیکھی نہ سنی ہوگی۔

پورا شہر چیخوں کا شہر بنا ہوگا۔ دوسرے شہروں کے لوگ اپنے گھروں سے اس جلتے شہر کو دیکھیں گے جو کسی مشعل کی طرح روشن ہوگا۔ قیامت کے

دوسرے دور کے لیے آج شام کے منتظر رہو۔"

"طوفان کے مسافر۔"

خط پڑھتے ہی سر سلطان کا دل بہت زور سے دھڑکا اور وہ دل پکڑ کر رہ گئے۔ ان کے پورے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا تھا۔ کئی منٹ تک وہ اسی طرح سکتے میں ڈوبے رہے اور پھر انہوں نے اردلی کو بلانے کے لیے گھنٹی بجا دی۔!

اردلی اندر آیا۔ اور ان کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"پانی پلاؤ۔۔۔!" سر سلطان نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا اور اردلی جلدی سے پانی لے آیا۔ پانی پینے سے سر سلطان کے حواس بحال ہونے لگے اور پھر وہ خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگے! اردلی پریشان سا کھڑا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔۔۔!"

انہوں نے کہا اور وہ ہچکچاتے ہوئے انداز میں باہر نکل گیا۔ سر سلطان نے پھر خط اٹھا لیا۔ لیکن اب ان کے اعصاب درست ہو چکے تھے۔ انہوں نے چند گہری گہری سانسیں لیں۔۔۔! اور سوچنے لگے! گویا ان کا اندازہ درست ہے۔ یہ تباہی اسی خط سے متعلق تھی اور ان دیوانوں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

اب تک تو انہوں نے عمران کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ لیکن اس خط کے بعد یہ ضروری تھا کہ وہ اسے اس کے بارے میں اطلاع دیتے۔ چنانچہ انہوں نے فون کا رسیور اٹھایا اور کانپتی ہوئی انگلیوں سے عمران کے فون نمبر

ڈائل کرنے لگے!

چند لمحات کے بعد دوسری طرف سے رسیور اٹھا لیا گیا اور فون پر عمران کی آواز کو سن کر سر سلطان کو ایک گونہ سکون ہوا۔

"میں سر سلطان بول رہا ہوں۔"

"فرمائیے!"

"زیادہ مصروف تو نہیں ہو؟"

"کم بھی نہیں ہوں آپ فرمائیے۔"

"اگر کوئی خاص گفتگو نہ ہو تو فون پر فرما دیں ورنہ حکم دیں تو میں حاضر ہو جاؤں!"

"وہ ایک خط اور ملا ہے۔"

"کیا لکھا ہے؟"

"قیامت کی پیش گوئی آج شام کو۔!"

"سر سلطان نے مختصراً بتایا۔"

"اطمینان سے سو جائیں۔ وہ آج شام کو کچھ نہ کر سکیں گے! ہاں اس کے بعد ہم انہیں دیکھیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"انہوں نے کوئی وقت دیا ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"نہیں وقت تو نہیں دیا ہے۔"

"تب ٹھیک ہے۔ آٹھ بجے کے بعد میں آپ کے پاس حاضر ہو کر وہ خط دیکھوں گا اور آپ کو بتاؤں گا کہ وہ ناکام کیوں رہے۔"

"خط پڑھ کر میری تو بری حالت ہو گئی تھی عمران ۔ میں سخت پریشان ہوں
خدانخواستہ بے گناہ شہریوں کا پھر قتل عام ہوا تو کیا ہو گا ۔
میں اور ناصر پوری کوشش کر رہے ہیں ۔ باقی اللہ مالک ہے ! آپ مطمئن رہیں
"اوہ ناصر تمہارے ساتھ شریک ہو گیا ہے ۔
"ہاں ۔ میرے خیال میں فون پر اس سے زیادہ گفتگو موزوں نہیں ہے
باقی ملاقات پر ۔ عمران نے جواب دیا ۔ اور سر سلطان نے فون بند کر دیا ۔

ڈاکٹر داور کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے ۔ ان کے رخساروں پر بنی ہوئی
لکیروں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ شاید روئے بھی ہیں اور شمی ان لکیروں کو دیکھ
کر بے چین ہو گئی تھی ۔
"کیا آپ روئے ہیں ڈیڈی ۔ ؟
"اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا ۔
"نہیں بیٹے تم فکر مت کرو ۔ سب ٹھیک ہے ۔ ڈاکٹر داور بھرائے ہوئے
لہجے میں بولے ۔
"آپ روئے کیوں تھے ڈیڈی ! " شمی اسی انداز میں بولی ۔
"اپنی بے بسی پر ۔ میں نے یہ خوبصورت لیبارٹری اس لیے نہیں بنائی تھی
کہ یہاں سے میرے شہر کے بے گناہ انسانوں پر موت برسائی جائے ۔ یہ درندے

کس طرح انسانی خون بہا رہے ہیں۔ اگر مجھے ان سے نجات مل گئی تو میں اپنے ہاتھوں سے یہ لیبارٹری تباہ کر دوں گا۔ میرے بوڑھے جسم میں اب یہ سکت نہیں رہ گئی ہے کہ میں اس کی حفاظت کر سکوں! ڈاکٹر داور کی آواز پھر گلوگیر ہو گئی۔

وہ اپنی ہی لیبارٹری کے عظیم الشان ہال کے اس پنجرے میں قید تھے جو خود انہوں نے دوسرے ایسے لوگوں کے لیے بنایا تھا جو ان کے تجربے گاہ میں تخریبی ارادے سے داخل ہوں۔

ان کے سامنے ہی تھوڑے فاصلے پر وہ شیطان بیٹھے ہوئے کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ درحقیقت وہ شیطان تھے۔ سائنسی طور پر ان کی صلاحیتیں بے پناہ تھیں جس کا ڈاکٹر داور بخوبی اندازہ کر چکے تھے۔ لیکن ان کے ذہنوں میں شیطان حلول کر گیا تھا۔

تینوں ہر وقت انسانوں کو ہلاک کرنے کے نت نئے طریقے سوچتے رہتے ان پر بحث کرتے اور اگر کوئی کام کا طریقہ دریافت ہو جاتا تو اسے لوٹ کر لیتے۔

ان کا پروگرام ڈاکٹر داور کے علم میں بھی آچکا تھا۔ یہاں اس پورے شہر کو وہ ڈاکٹر داور کی لیبارٹری کے ذریعے تباہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد ان کا پروگرام تھا کہ ان میں سے ایک آدمی یہاں سے چلا جائے اور دوسرے شہر کا انتخاب کرے وہاں انتظامات کرے اور پھر وہاں کارروائی شروع کی جائے انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ایشیا کے پسماندہ ملکوں میں سے کسی

ملک کے باشندے کو زندہ نہ رہنے دیا جائے۔ اور یہاں کے خیال میں ان باشندوں پر احسان عظیم تھا۔ کیونکہ ان ممالک کے مسائل بے انتہا تھے۔ یہاں کے لوگ یوں بھی زندہ درگور تھے اس لیے انہیں اس اذیت ناک زندگی سے نجات دلانا بھی ان کے خیال میں ایک نیک کام تھا۔

اور وہ اس نیک کام کو انجام دینے کا تہیہ کر چکے تھے۔

تینوں شیطانوں نے ڈاکٹر داور کی عظیم الشان تجربہ گاہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ اپنے طور پر انہوں نے کئی خوفناک ایجادات کی تھیں۔ اس وقت بھی ان کے سامنے ایک چوکور بکس رکھا تھا جس میں بے شمار ڈائل اور سوئیاں لگی تھیں۔ بکس کے دائیں سمت ایک بڑا کنٹرول بورڈ تھا اور کنٹرول بورڈ کے اوپری حصے میں ایک چوڑا اسکرین بنا ہوا تھا۔ اس وقت اس اسکرین پر ایک فٹبال نما گیند رکھی نظر آ رہی تھی جس میں بے شمار ننھے ننھے سوراخ تھے گیند ایک اسٹینڈ پر رکھی ہوئی تھی۔ یہ اسٹینڈ بھی انتہائی عجیب ساخت کا تھا۔

ڈاکٹر داور اس حصے کو بخوبی پہچانتے تھے جہاں گیند اور اسٹینڈ تھا۔ یہ انہیں کی لیبارٹری کا ایک حصہ تھا۔ اور یہ گیند ایک بہترین مصنوعی سیارہ تھا باریک سوراخوں میں بے شمار ننھے ننھے طاقت ور کیمرے فٹ تھے اور اندر کی مشینری گیند کے چاروں طرف کی تصاویر اس اسکرین پر بھیجتی تھی جو کنٹرول بورڈ کے اوپر تھا۔

دفعتاً ان میں سے ایک نے رک کر گھڑی میں وقت دیکھا اور مسکراتے ہوئے دوسرے سے بولا۔ کیا خیال ہے مجھے یقین ہے کہ اس وقت شہر کی آدھی آبادی

سڑکوں پر ہوگی۔

ہاں۔ شام ہو چکی ہے۔ ویسے بھی بے چارہ ہوم سیکرٹری ہماری کارروائی کا انتظار کر رہا ہوگا۔

دوسرے نے بے دردانہ لہجہ میں کہا۔

"چلو کام شروع کرو۔!"

تیسرے نے کہا اور ان میں سے ایک کنٹرول بورڈ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ڈاکٹر داور کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"آہ شمی! وہ کمبخت اپنی منحوس کارروائی پھر دہرانے جا رہے ہیں، وہ ڈوبتے ہوئے لہجے میں بولے۔ کاش میں انہیں روک سکتا۔"

شمی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود بھی ڈاکٹر داور کی طرح بے بس تھی۔

اسکرین روشن تھا اور اب اس پر دھواں دھواں سا نظر آ رہا تھا۔ اسپیکر پر رکھی ہوئی گیند بلند ہو رہی تھی۔! تھوڑی دیر کے بعد دھواں ختم ہو گیا۔ اور اسکرین صاف ہونے لگا۔ اب اسکرین پر شہر کے مناظر نظر آ رہے تھے جو ہر لمحے بدل رہے تھے۔ مصنوعی سیارہ جس طرف جا رہا تھا اس طرف کے مناظر نمایاں تھے۔

سڑکوں پر وہی چہل پہل تھی لوگ ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ ان تینوں نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت شہر کے اس حصے کا منظر سامنے تھا جہاں انہوں نے ایک دن قبل تباہی پھیلائی تھی۔

ڈاکٹر داور نے دیکھا۔ اب تک ملبہ ہٹایا جا رہا تھا۔ پولیس لگی ہوئی تھی کئی لاشیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔

اور اب پہلا سی منظر کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور آج ان کے ارادے شہر کے تمام علاقوں میں تباہی پھیلانے کے تھے جہاں جہاں ٹریفک سگنل نصب تھے۔ وہ اس منظر کو دیکھ کر مسکراتے رہے اور پھر سیارہ وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ چند لمحات کے بعد وہ بلندی پر پہنچ گیا اب شہر کا مجموعی منظر نظر آ رہا تھا۔

ٹھیک ہے۔!

"مناسب وقت ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ اور اس بار ایک آدمی کنٹرول بورڈ پر پہنچ گیا۔ اس نے چند بڑے بڑے سوئچ آن کئے اور پھر سرخ رنگ کے بٹن دبانے لگا۔ ڈاکٹر داور اور شمی کے چہروں کا رنگ سفید ہو گیا۔ اور ان دونوں نے بیک وقت آنکھیں بند کر دیں۔

لیکن پھر ایک سائنسدان کی آواز سنائی دی" ارے یہ کیا ہو گیا اور ڈاکٹر داور نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ گیند اسی طرح معلق تھی اور شہر کے مناظر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

"ناممکن۔ بالکل ناممکن۔ یہ کیسے ممکن ہے۔

"وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"کیا کنٹرولنگ سسٹم میں کچھ خرابی ہو گئی۔

"نہیں کنٹرولنگ سسٹم بالکل ٹھیک کام کر رہا ہے۔ لیکن یہ دیکھو ادھر سے کیچنگ ہی نہیں ہو رہی۔

"کیا وجہ ہے؟"

"میرے ذہن میں ایک اور خیال ہے۔

"کیا؟"

"مجھے خطرہ ہے کہ ہمارے تھرو نکال لیے گئے ہیں۔ اور یقیناً انہیں ناکارہ بھی کر دیا گیا ہے۔ ورنہ وہ جہاں بھی ہوتے تباہی پھیلاتے۔"

"یہ ناممکن ہے۔ یہاں اس ملک ایسے سائنسدان کہاں ہیں۔ جو ہمارے تھرو کی تکنیک اس طرح سمجھ جائیں۔"

"تم اس آدمی کو بھول رہے ہو۔ جس کا نام ناصر ہے۔ سنا ہے وہ شخص بے حد ذہین ہے۔"

"اس کی موت بھی ہمارے ہی ہاتھوں سے لکھی ہے۔ میں اس کی لیبارٹری کے پرخچے اڑا دوں گا۔ وہ سمجھتا کیا ہے خود کو۔ دیکھوں گا۔" دوسرا سائنس دان جنونیوں کے انداز میں بولا۔ اور پھر وہ مصنوعی سیارہ واپس بلانے لگا۔ ان کی آج کی کارروائی ناکام ہو چکی تھی۔!

دوسری طرف ڈاکٹر داور شمی سے کہہ رہے تھے۔

خدا کا شکر ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ آخر خدا بے کسوں کی بھی سنتا ہے۔ اگر وہ فوری طور پر ناصر سے بھڑ گئے تو پھر ان کی مٹی پلید ہو جائے گی۔ اور یہ تباہی بھی رک جائے گی۔

اسی وقت انہوں نے ان تینوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اور سب سے آگے والے سائنسدان نے کہا۔

"مسٹر داور۔ ہم آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتے ہیں۔"

"کیا بات ہے؟"

"آپ ہمیں ناصر کی لیبارٹری کے بارے میں مکمل طور سے تفصیل بتا سکیں گے۔"

"ناصر۔ ڈاکٹر داور نے کہا۔ اور پھر وہ ناصر کے جزیرے کے بارے میں بتانے لگے۔ شمی حیرت سے ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر داور نے نہ صرف جزیرے بلکہ بنڈرنگ کا بچ کے بارے میں بھی بتا دیا۔ اور جب وہ لوگ چلے گئے تو وہ تعجب سے بولی۔

"یہ آپ نے کیا کیا ڈیڈی۔ ناصر کو نقصان نہ ہو جائے۔"

"بہت اچھا کیا میں نے۔ میری دعا ہے کہ وہ پوری قوت سے ناصر پر حملہ آور ہوں تاکہ ان کی فوری تباہی یقینی ہو جائے۔

"مگر ناصر صاحب کو نقصان نہ ہو جائے۔"

"ناصر۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ ڈاکٹر داور کے ہونٹوں پر بہت عرصے کے بعد مسکراہٹ پھیل گئی۔

رات کو میں نے کئی بار تمہیں فون کیا۔ سلیمان سے کہہ بھی دیا تھا کہ تم جب بھی آؤ اگر مصروف ہو تو مجھے فون کر لو اور اگر فرصت ہو تو خود میرے پاس آجاؤ۔!

میں بہت مصروف تھا۔ ہمیں دوبارہ ان جگہوں کی چیکنگ کرنی تھی یہ بھی ممکن تھا کہ ٹریفک سگنلوں کے حربوں کی ناکامی کے بعد انہوں نے کوئی اور کارروائی کی ہو۔

"مجھے تفصیل بتاؤ عمران۔ خدا کی قسم تمہاری کامیابی کے لیے کتنی دعائیں مانگی ہیں میں نے۔ اور خدا نے تمہیں کامیاب کیا۔"

"عمران نے نہایت سنجیدگی سے سر سلطان کو مکمل تفصیلات بتائیں۔ اور وہ حیرت سے سب کچھ سنتے رہے۔!

"پھر بولے۔!"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے عمران۔ کہ وہ اس طرف سے ناکام ہو کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کریں۔"

بالکل ممکن ہے اس کے لیے فی الحال یہ کارروائی کی گئی ہے کہ بہت سی گاڑیاں خاص قسم کی مشینوں سے لیس ہو کر پورے شہر میں چکرا رہی ہیں۔ ان مشینوں سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ شہر میں کسی جگہ کوئی ایسی

خطرناک شے تو نہیں ہے۔ جو تباہی پھیلا سکے۔

"یہ سب کچھ ناصر نے کیا ہے۔"

"ہاں۔"

"خدا اسے سلامت رکھے۔ اس ملک کے لیے اس کا وجود بے حد قیمتی ہے مگر وہ کوئی اور کوشش کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشینیں ان کے نئے حربے کو چیک نہ کر سکیں۔"

"ہونے کو تو سب کچھ ہو سکتا ہے جناب۔ بہرحال ان مشینوں میں ایسا سسٹم رکھا گیا ہے کہ وہ ہر ریڈیو ایکٹو کی رہنمائی کرتی ہیں اگر وہ ریڈیو ویوز کے ذریعے کچھ کرنے کی کوشش کریں گے تو یقیناً ناکام رہیں گے۔ دوسرے کسی حربے کے لیے بہرحال ہمیں دوسری کارروائی کرنی ہوگی۔"

"خدا تم لوگوں کو کامیاب کرے۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"یہاں سے ناصر کے پاس جا رہا ہوں۔ اس سے وعدہ کر کے آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر کوئی حرج نہ ہو تو مجھے ان کارروائیوں سے آگاہ رکھنا۔" سر سلطان ملتجی انداز میں بولے۔

"اطمینان رکھیے۔ کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے گی۔"

"عمران نے کہا اور انہیں سلام کر کے باہر نکل آیا۔ چند منٹ کے بعد اس کی کار بندرگاہ کالج کی طرف اڑی جا رہی تھی۔!

"ناصر نے حسب معمول اس کا استقبال کیا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

"خیریت"!

"تم کچھ خوش نظر آ رہے ہو۔۔۔؟" عمران نے پوچھا

"ہاں۔ آیئے بینار پر چل کر بیٹھیں گے۔ وہیں میں آپ کو اپنی خوشی کے بارے میں تفصیل سے بتاؤں گا!" ناصر نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کہا اور وہ دونوں لیبارٹری بینار کے تیسرے سیکشن میں جو نشست کے لیے مخصوص تھا پہنچ گئے۔

"ہاں کیا بات ہے؟"

"میرے کرم فرماؤں نے ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے فون کیا تھا۔!"

"کس نے؟"

"انہی لوگوں نے جو اس پورے ہنگامے کے ذمہ دار ہیں۔"

"اوہ۔۔۔!" عمران ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"آدمی ذہین معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے معلوم کر لیا کہ ان کی سازش کو ناکام بنانے والوں میں ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ پہلے مجھ سے انتقام لیں گے اور مجھے نیست و نابود کرنے کے بعد اپنا کام کریں گے۔

"خوب!"

"کیا یہ کم خوشی کی بات ہے عمران صاحب کہ انہوں نے وقتی طور پر مظلوم عوام کا پیچھا چھوڑ دیا ہے اور صرف مجھ سے جنگ کر رہے ہیں اس طرح کتنا فائدہ ہو جائے گا۔ میں یکسوئی سے ان سے نمٹوں گا۔ اور میری ہار جیت تک عوام ان کے پنجۂ ستم سے محفوظ رہیں گے۔"

"ہاں بات تو کسی قدر فائدہ مند ہے۔ اگر تم ان سے نپٹنے کے لیے معقول بندوبست کرو۔ آدمی خطرناک ہیں۔"

"بڑے پیارے لوگ ہیں عمران صاحب انہوں نے کہا ہے کہ وہ نہ صرف میرے جزیرے کو تباہ کریں گے بلکہ بنڈونگ کا بچ بھی ان سے محفوظ نہ رہے گا۔ یہ کتنی مسرت کی بات ہے کہ انہوں نے مجھے دونوں طرف سے ہوشیار کر دیا ہے۔"

"تم مجموعی حیثیت سے نام لے رہے ہو۔ کیا کئی آدمیوں نے فون کیا تھا۔"

اپنی تعداد بھی انہوں نے خود ہی بتا دی تھی۔ فون کرنے والے نے کہا تھا کہ ہم تینوں نے فیصلہ کیا ہے کہ پہلے تم سے نپٹا جائے۔"

"خوب۔"

"بہرحال اب تم ان جگہوں کی حفاظت کے لیے کیا کر رہے ہو؟"

"کر چکا ہوں عمران صاحب۔"

"فون کرنے والے نے کہا ہے کہ آج کی شام میری زندگی کی آخری شام ہے۔ میں اپنی تمام حسرتیں پوری کر لوں۔ ٹھیک سات بجے مجھ پر موت نازل کر دی جائے گی۔!"

"بالکل گدھے ہیں! عمران مسکراہٹ نہ روک سکا۔"

"بہرحال میں نے کرنل نیک کو بھی ہدایت کر دی ہے۔ وہ جزیرے کا معقول بندوبست کر لیں گے۔ بنڈونگ کا بچ میں، میں خود رہوں گا۔ بلکہ آپ بھی اگر میرے ساتھ مرنا پسند کریں تو آپ بھی یہاں ہی قیام کریں۔"

"ضرور میں بھی موت کا آرزومند ہوں۔ ویسے پروفیسر کہاں گئے؟"

"اس بار ان کے اسکرو زیادہ ہی ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ تھوڑا سا سامان لے کر نکل گئے ہیں۔ کہ اب واپس نہیں آئیں گے۔ ویسے مجھے علم ہے کہ وہ پلازہ ہوٹل کے کمرہ نمبر اٹھائیس میں مقیم ہیں۔"

"خوب۔" عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اس بار انہیں حسرت نکال لینے دی جائے۔ جب تک عورتیں آئیں میں لفٹ نہ دوں اور جب خوشامد کریں تو اپنی کچھ شرطیں پیش کر کے انہیں یہاں آنے دوں۔"

"تم بہتر سمجھتے ہو۔" عمران نے کہا۔ اور پھر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

"کیا سوچ رہے ہیں عمران صاحب۔" ناصر نے پوچھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ تم نے ان سے نپٹنے کے لیے کیا بندوبست کیا ہے۔ بھئی دراصل بعض اوقات میں سوچتا ہوں کہ ممکن ہے ایسی کوئی بات ہو جسے تم بتانا پسند نہ کرو۔ اور اخلاقاً بتانے پر مجبور ہو جاؤ۔"

"میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں ہے عمران صاحب اور اگر نادانستگی میں ایسی کوئی بات رہ گئی ہو جسے میں نے آپ کو نہ بتایا ہو اور آپ سے کسی اپنے نظریے کے تحت پوچھ نہ سکے ہوں تو اس کے لیے شرمندہ ہوں۔ میرا خیال ہے عمران اور ناصر صرف دو نام ہیں ورنہ شخصیت ایک دوسرے سے الگ نہیں ہے۔"

"تم عظیم ہو ناصر۔ میں دل سے تمہاری عزت کرتا ہوں۔" میں ہمیشہ آپ

کے سامنے احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہوں کیونکہ بحیثیت ایک انسان آپ کی شخصیت مجھ سے کہیں برتر ہے۔"

"چھوڑو ان باتوں کو میرا خیال ہے ہم احمقانہ گفتگو کر رہے ہیں۔"

"چلیئے چھوڑ دیا۔"

"ناصر مسکراتے ہوئے بولا — اور پھر کہنے لگا! ہاں تو میں آپ کو تفصیل بتا دوں۔"

جزیرے کے اوپر مصنوعی بادل گردش کر رہے ہیں یہ بادل ٹرانسپیرنٹ قسم کے ہیں۔ یعنی اوپر سے جزیرہ نظر آ تو سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اوپر سے یا کسی بھی طرف سے جزیرے میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو انسان ہو یا کوئی دھات گیس ہو یا کوئی بھی چیز ہو دھواں بن کر فضا میں پھیل جائیگی۔ ٹھیک ساڑھے چھ بجے بنڈونگ کا بچ بھی اسی پوزیشن میں آ جائے گا ہاں جزیرے کے سلسلہ میں ایک خصوصیت ہے۔ اگر سمندری راستے سے کسی نے جزیرے کے نیچے یا کسی اور طرف پہنچنے کی کوشش کی تو اس کا حشر بھی بے حد خطرناک ہوگا۔ جزیرے سے ایک میل کے اندر اندر کسی کا داخلہ موت کے مترادف ہوگا۔"

بہر حال یہ پوزیشن تو جزیرے کی ہے۔ بنڈونگ کا بچ کے بارے میں میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ یہ تو تھے حفاظتی اقدامات اب آیئے میری اپنی کارروائی کی طرف ایک بات تو ذہن میں ضرور رکھ لیں۔ اگر ان کی طرف سے مجھ پر کسی قسم کا حملہ ہوگا تو سو فیصدی بیرونی ہوگا۔ ظاہر ہے بنڈونگ کا بچ میں وہ ایسی

کوئی حرکت نہیں دوہرا سکتے جیسی انہوں نے ٹریفک سگنلز میں کی تھی۔

عمران نے تائید کی۔

چنانچہ بیرونی حملہ شروع ہوتے ہی پہلے میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ حملہ کہاں سے کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو گیا تو کم از کم ان کے بارے میں اندازہ تو لگایا جا سکتا ہے۔

"بالکل مناسب!"

"عمران نے گردن ہلا دی۔

"چھ بجے جاسوس مکھیاں پورے شہر میں پھیل جائیں گی اس کے علاوہ آج ہم یہ دوربین بھی استعمال کریں گے!"

"ناصر نے اس دوربین کی طرف اشارہ کیا، جو مینار کی آخری منزل پر لگی ہوئی تھی۔"

"فی الوقت تو صرف یہ کیا ہے۔ کہ ان کے حملے سے اگر زندہ بچ گئے تو پھر ان کے خلاف کارروائی پر غور کریں گے۔"

"ٹھیک ہے" عمران نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ پھر بولا "کسی کو بلا کر کافی کے لیے کہو۔ کم از کم مرنے سے قبل کافی کی حسرت تو نہ رہے۔ یوں بھی مرنے سے پہلے کافی نہ پینے والے کی روح ہمیشہ کسی نہ کسی کافی ہاؤس پر منڈلاتی رہتی ہے۔

جاسوس مکھیاں درحقیقت آج اپنی اصلی شکل میں سامنے آئی تھیں ناصر نے پلاسٹک کے ان اڑنے والے ویڈیو کیمروں اور ٹرانسمیٹروں کو کچھ اور جدید چیزوں سے آراستہ کر دیا تھا۔

درحقیقت مکھیوں کی شکل کے یہ کیمرے جن کے ننھے لینس اور رائی کے دانے کے برابر کے اسپیکر کسی بھی طاقت ور ترین ویڈیو لینس اور اسپیکر سے کم نہیں تھے۔

لیبارٹری مینار کے سب سے اوپر کے سیکشن میں لگے ہوئے ایک چوڑے اسکرین پر پورے شہر کے ایک ایک حصے کی بڑی بڑی تصاویر موصول ہو رہی تھیں۔ اسکرین کے نیچے ایک نقشہ بنا ہوا تھا۔ جو شہر کی ایک ایک گلی ایک ایک بازار ایک ایک رہائشی علاقے کی نشان دہی کرتا تھا۔ اس کے نیچے، اوپر نیچے کئی قطاریں سفید رنگ کے چھوٹے بٹنوں کی تھیں۔ یہ بٹن دبانے سے اسی علاقے کی تصویریں اسکرین پر آجاتیں جس کے نیچے بٹن ہوتا۔

ایک جگہ بیٹھ کر پورے شہر کے حالات سے باخبر رہنے کا یہ طریقہ دنیا کے کسی عظیم ترین سائنس دان نے نہ ایجاد کیا ہوگا۔ دنیا کے جدید ترین ملک کے پاس بھی ایسے شاندار انتظامات نہ ہوں گے۔ درحقیقت

اگر یہ پورا پلانٹ محکمہ پولیس کے حوالے کر دیا جاتا تو شہر میں جرائم کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ جاتی۔ یا کوئی بھی مجرم جرم کرنے کے بعد ایک لمحے بھی روپوش نہ رہ سکتا۔

سات بجنے میں اب صرف چند لمحات باقی تھے۔ عمران اسکرین پر دیکھ رہا تھا اور ناصر دوربین کے اسٹینڈ پر کھڑا ہوا دوربین کے مختلف زاویے بدل بدل کر پورے شہر کا جائزہ لے رہا تھا۔

اور جونہی گھڑی کی سوئی سات پر پہنچی اچانک ناصر چونک پڑا۔ دور بہت دور ــــ بہت ہی دور ــــ اس نے نارنجی رنگ کا ایک شعلہ کو آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھا۔

ناصر نے دوربین اس طرف سیٹ کر لی۔ اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ گو وہ آسمان کی بلندیوں کی طرف جا رہا تھا۔ کافی بلند ہو کر وہ رکا۔ چند لمحات آسمان میں معلق رہا اور پھر تیرتا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا۔

"عمران صاحب! میں سوئچ آن کر دیں۔ یہ سرخ رنگ کا بڑا بٹن!" ناصر نے جلدی سے کہا۔ اور عمران نے اس کی ہدایت پر عمل کیا! دوسرے لمحے اسکرین پر بے شمار مناظر گڈمڈ ہو گئے! تمام مکھیوں کا اسکرین سے رابطہ قائم ہو گیا۔ ابھی انہوں نے اسکرین کا ساؤنڈ نہیں کھولا تھا ورنہ شاید کان کے پردے پھٹ جاتے۔

"نیلے بٹن کو اندر تک دبا دیں۔"

ناصر نے دوسری ہدایت کی اور عمران نے نہایت ہوشیاری سے

نیچے بٹن کو اندر دبا دیا۔ دفعتاً اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی جہاز میں سوار ہو۔ اور جہاز اچانک بلندی طرف پرواز کر رہا ہو

مکھیاں ایک دم بلند ہو گئی تھیں! اور اب آسمان نظر آ رہا تھا عمران کوشش کے باوجود خود کو اس ماحول سے علیحدہ نہ کر سکا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی طیارے میں بیٹھا ہوا نیچے دیکھ رہا ہو! مکانات بالکل نیچے نظر آ رہے تھے۔ سڑکوں اور جگہوں کا کوئی پتہ نہیں تھا ——!

ویری گڈ عمران صاحب!

اب بغور دیکھیے آپ کو کوئی روشن نقطہ نظر آ رہا ہے۔

لیکن عمران ناصر کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی اس روشن گولے کو دیکھ چکا تھا جو فضا میں تیر رہا تھا۔

ان کی آن میں وہ گولہ پورے اسکرین پر چھا گیا اور پھر ایک جھماکے کے ساتھ غائب ہو گیا۔ روشنی کے جھماکے سے عمران کی آنکھیں چوندھیا گئی تھیں ——!

"یہ کیا ہوا —— ؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"فکر کی بات نہیں ہے۔ اتفاق سے جاسوس مکھی اس کے بالکل سامنے آ گئی اور جل گئی! ایک منٹ! ناصر دوربین کے پاس سے ہٹ کر اسکرین کے نزدیک پہنچ گیا اور پھر وہ بٹنوں سے مکھیاں کنٹرول کرنے لگا!۔

مکھیاں بلندی سے تھوڑی سی نیچے اتر آئیں اب سڑکوں اور گلیوں

میں چلتے ہوئے لوگ ننھے گڈوں کی طرح نظر آنے لگے تھے۔

"یہاں ٹھیک ہے۔ اوہ۔ وہ دیکھیے گولا بلند ہوا۔"

"یہ دوسرا گولہ ہے۔" ناصر نے کہا۔

"اور پھر اس جگہ کو نقشہ میں تلاش کرنے لگا۔ جہاں سے گولا بلند ہوا تھا۔"

پھر اس نے ایک بٹن دبایا۔ اور اچانک دوسرے مناظر غائب ہو گئے اب صرف وہی جگہ اسکرین پر تھی۔ جہاں سے گولا ابھرا تھا۔ آگ کا ایک بہت بڑا گولہ ایک خوبصورت عمارت سے بلند ہو رہا تھا۔

اور ناصر کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل گئے۔

"عمران صاحب۔"

وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ اور عمران کی طرف سے جواب نہ پاکر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ ناممکن ہے۔ بالکل ناممکن۔!" عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔

"آپ اس عمارت کو پہچان گئے۔"

"ہاں۔"

"ڈاکٹر داور کی رہائش گاہ ہے۔ لیکن ناصر یہ ناممکن ہے ڈاکٹر داور ایک محب وطن اور انسانیت دوست شخص ہے۔"

ناصر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکرین پر اب بھی بلند ہوتے ہوئے گولے نظر آرہے تھے وہ ڈاکٹر داور کی کوٹھی سے ہی بلند ہو رہے تھے

"آیئے باہر کا منظر دیکھیں۔" ناصر نے کہا اور عمران خاموشی سے اس کے

ساتھ ایک طرف بڑھ گیا۔ ناصر نے کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا۔ درحقیقت باہر ایک تماشا جاری تھا۔ آگ کے دیو سبکیل پہاڑ بنڈونگ کاٹج پر آتے اور اس سے کافی بلندی پر ان سے پھلجھڑیاں سی چھوٹتیں اور پھر دھواں سا پھیل جاتا۔ ایک کے پیچھے دوسرا گولہ بنڈونگ کاٹج پر چلا آ رہا تھا اور آسمان میں دھواں پھیلتا جا رہا تھا۔

ناصر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی

"کیا خیال ہے عمران صاحب!"

ناصر نے کہا لیکن عمران کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ اس کی آنکھوں میں گہرے غور و فکر کے آثار تھے۔ اس کی نظریں بار بار اسکرین کی طرف اٹھ جاتیں۔ بلاشبہ وہ ڈاکٹر داور ہی کی کوٹھی تھی۔

"دفعتاً عمران کے منہ سے سرد آواز نکلی۔!

"ڈاکٹر داور خطرے میں ہے ناصر۔ میں اجازت چاہتا ہوں۔"

بالکل یہی میں بھی سوچ رہا تھا عمران صاحب۔ مجھے حیرت تھی کہ کہ اب تک آپ نے یہ بات کیوں نہیں کہی۔ ڈاکٹر داور کی کوٹھی ضرور ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تخریب کار ڈاکٹر داور ہوں۔ بہرحال ایک گذارش ہے۔ وہ یہ کہ ابھی باہر کی فضا ٹھیک نہیں ہے۔ بنڈونگ کاٹج سے باہر کا ماحول بے حد خطرناک ہے۔ کچھ دیر رکیں۔ میں بھی ساتھ چلوں گا۔

لیکن یہ ڈاکٹر داور کی زندگی کا سوال ہے۔ تم نہیں جانتے ناصر کہ مجھے ان پر کس قدر اعتماد ہے اور میں ان کی زندگی کس قدر قیمتی سمجھتا ہوں۔

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں عمران صاحب کہ جس پر آپ کا اعتماد ہے اس پر مجھے بھی اعتماد ہے۔ لیکن یہ تو سوچیے کہ ڈاکٹر وادر کی کوٹھی باقاعدہ استعمال ہو رہی ہے یہ کوئی وقتی کام نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹر وادر ان شکنجے میں آچکے ہوں گے اور انہوں نے انہیں قتل نہ کیا ہوگا۔ تو وہ ہمیں زندہ مل جائیں گے اور اگر خدانخواستہ ——— ۔ ۔ ۔ ۔ تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا ہوگا۔

بات عمران کی سمجھ میں بھی آگئی تھی۔ چنانچہ وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کا چہرہ آگ کی طرح دہک رہا تھا۔

ناصر کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ اب وہ دوسرے بٹن دبا رہا تھا اس کے بعد اس نے شہر کی حالت دیکھی۔ پورے شہر کی گلی کوچوں میں انسانوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ وہ آنکھیں اور منہ پھاڑے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے آسمان میں پرواز کرتے ہوئے آتشی گولے سب کے لیے حیرت انگیز تھے۔

پھر ناصر نے بنڈونگ کالج کے قرب وجوار کا جائزہ لیا۔ اسے خدشہ تھا کہ نزدیک کے لوگوں کو ان گولوں سے نقصان نہ پہنچے لیکن سب خیریت تھی۔ مکمل طور پر قرب وجوار کا جائزہ لینے کے بعد اس نے اسکرین کا بٹن آف کر دیا۔ گولوں کی شدت میں بھی اب کمی ہو گئی اور چند لمحات کے بعد وہ بالکل بند ہو گئے۔

⁂ - - - - ⁂ - - - - ⁂

آتشی گولوں کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی ناصر کی کوٹھی میں موجود تمام ٹیلیفونوں کی جن کی الگ لائنیں تھیں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ تمام جانے والے اور انجان لوگ ان عجیب و غریب گولوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے۔

ناصر نے اپنے ماتحتوں کو ٹیلیفونوں پر بٹھا کر ہدایتیں دے دیں اس نے کہا کہ پوچھنے والے کو جواب دیا جائے کہ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا حالات غیر یقینی ہیں۔ پتہ نہیں کتنی تباہی ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ ناصر نے زونی کو ایک مائیک پر بٹھا دیا۔ جس کا اسپیکر باہر گیٹ پر لگا ہوا تھا۔ زونی بار بار لوگوں کو کوٹھی کے گیٹ سے نصف فرلانگ دور رہنے کی ہدایت کر رہی تھی۔ یہ ہدایت پولیس کے لیے بھی تھی۔ پولیس کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ گیٹ کے نزدیک آنے کی کوشش نہ کریں۔ ورنہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

"اب کیا پروگرام ہے عمران صاحب!"

"تمام ضروری امور سے فارغ ہونے کے بعد عمران نے پوچھا۔"

"میں ڈاکٹر داور کے لیے بہت فکر مند ہوں۔"

"یقیناً ان لوگوں کو یہ بات نہیں معلوم ہوگی کہ ہم ان کے ٹھکانے سے واقف ہو چکے ہیں۔ ایسی شکل میں ہم انہیں کچھ وقت بھی دے دیں تو کیا حرج ہے۔"

ہاں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"اگر ہم باقاعدہ ان کی کوٹھی پر ریڈ کریں تو وہ مناسب نہ ہوگا۔ میرا خیال ہے ہیں اور آپ مل کر چلتے ہیں اور کوٹھی کا اندرونی جائزہ لیتے ہیں۔

بالکل ٹھیک۔!

شاید تم نظر نہ آنے والی شعاعوں کے غلاف میں جانے کا پروگرام بنا رہے ہو۔

"کیا مناسب نہ رہے گا عمران صاحب؟"

"مناسب ہے۔! عمران نے کہا۔

اسی وقت رفعت اندر داخل ہوئی اور اس نے بوم سیکریٹری کے فون کی اطلاع دی۔!

"اوہ سر سلطان سے بات کر لی جائے۔ ناصر نے کہا اور عمران بھی اس کے ساتھ اٹھ کر دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔ عمران کے اشارے پر رسیور ناصر نے ہی اٹھایا تھا۔"

"ناصر بول رہا ہے جناب۔"

اوہ ناصر یہاں اپنی خیریت بتاؤ۔

"کیا تیرتے ہوئے آتشی گولوں کی بات درست ہے۔ سنا ہے وہ صرف تمہاری کوٹھی پر گر رہے تھے۔

"جی ہاں درست ہے۔"

"کیا سلسلہ تھا؟"

دشمن کا ایک حربہ۔ کل کی اطلاع آپ کو ہے۔ ان کی تباہی کی اسکیم کو ناکام کر دیا گیا ہے۔ اس کے انتقام کے طور پر انہوں نے یہ کارروائی کی ہے۔"

"کوئی نقصان تو نہیں ہوا۔؟" سر سلطان نے بے چینی سے پوچھا۔

"آپ جیسے بزرگوں کی دعائیں شامل حال ہوں تو دشمنوں کو ناکامی ہی ہو گی!"

"خدا کا شکر ہے۔ عمران کو اس واقعہ کی اطلاع ہے"

"عمران صاحب میرے نزدیک موجود ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا۔ ذرا فون انہیں دو۔!"

سر سلطان نے کہا اور ناصر نے فون عمران کی طرف بڑھا دیا۔

"السلام علیکم۔"

"اوہ عمران سب ٹھیک ہے نا! سر سلطان جلدی سے بولے۔

"الحمدللہ۔" عمران مودبانہ انداز میں بولا۔

"اس کا مقصد ہے کہ تم لوگ براہ راست بھڑ گئے۔"

"جی ہاں۔ بس آپ کی دعا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"کب مل رہے۔؟"

"بہت جلد!" عمران مختصراً بولا۔

"اچھا بھائی۔ مجھے احساس ہے کہ میں تمہیں ناوقت تکلیف دے رہا ہوں۔ بہرحال میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"پہلی فرصت میں حاضر ہوں گا!"

"عمران نے کہا اور سر سلطان نے فون بند کر دیا۔ بنڈونگ کا ٹیج کا شاہی حصار ابھی تک قائم تھا۔ ناصر کا خیال تھا کہ ممکن ہے کچھ وقفہ کے بعد وہ اپنی کارروائی پھر سے شروع کر دیں۔

"پھر ناصر نے ٹرانسمشن مشین پر کرنل نیک سے رابطہ قائم کیا۔ جزیرے کے بارے میں معلومات بھی ضروری تھیں۔ کرنل نیک سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"کیا پوزیشن ہے کرنل نیک؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے کرنل نیک۔ حالات بالکل پرسکون ہیں۔" کرنل نیک نے جواب دیا۔

"بہر حال آپ ہوشیار رہیں۔ بنڈونگ کا ٹیج پر انہوں نے آتشی حملہ کیا تھا لیکن یہاں ناکام رہے ممکن ہے یہاں سے ناکام ہونے کے بعد وہ وہاں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔"

"بہت بہتر۔ اطمینان رکھیں۔" کرنل نیک نے جواب دیا۔

اور ناصر نے ٹرانسمشن لائن بند کر دی۔

رات کو بارہ بجے تک وہ گفتگو کرتے رہے۔ عمران بھی ناصر کے ساتھ ہی رہا تھا۔ اس دوران بنڈونگ کا ٹیج سے ایک فرلانگ دور دور تک لوگوں کا ہجوم لگا رہا سب صورت حال معلوم کرنے کے لیے بے چین تھے لیکن ناصر اس وقت کسی کو لفٹ دینا نہیں چاہتا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے انہوں نے آخری بار کافی پی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ ناصر نے افضل کو بلایا اور اس سے کہا کہ اسے ان کے ساتھ چلنا ہوگا۔ افضل تیار ہو گیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم باہر کار نکال کر انتظار کرو۔" ناصر نے کہا اور عمران کو اشارہ کر کے اس حصے کی طرف چل دیا۔ جہاں مشینیں موجود تھیں اور تھوڑی دیر کے بعد وہ کیمرہ نما مشین کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ ناصر نے پہلے اپنے جسم پر شعاعی غلاف چڑھایا اور پھر خود غائب ہونے کے بعد عمران کا بازو پکڑ کر مشین کے سامنے کھڑا کر دیا۔ چند لمحات کے بعد وہ دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ ہو چکے تھے اور پھر وہ باہر نکل آئے لان پر افضل کار کے اسٹیرنگ پر بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا۔

کار کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر وہ اچھل پڑا!

"ٹھیک ہے افضل چلو!"

ناصر نے کہا اور وہ حیران نظروں سے پچھلی سیٹ کی طرف دیکھنے لگا جو خالی پڑی تھی۔

"تمہیں اس لیے ساتھ لیا گیا ہے کہ لوگ صرف تمہیں دیکھیں اور یہاں سے ہی کار کی رفتار تیز رکھو تاکہ مجمع جگہ دے دے ورنہ اگر انہوں نے روک لیا تو کافی پریشان ہونا پڑے گا۔" ناصر نے کہا۔

افضل کی حیرت اب ختم ہو گئی تھی۔ بہرحال وہ اس پوزیشن سے واقف تھا۔ حالانکہ آدھی رات گزر چکی تھی لیکن بنڈرنگ کاٹج کے ہنگامے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے والوں کی بھیڑ اب بھی موجود تھی۔ ناصر کا کہنا درست ہی تھا۔ اگر افضل کار کی رفتار سست رکھتا تو لوگ اسے گھنٹوں نہ چھوڑتے۔ لیکن افضل نے کار کو ریس دی اور اس طوفانی انداز میں کار آگے بڑھائی کہ لوگ دور ہی سے اسے دیکھ کر دونوں طرف پھٹ گئے اور افضل

ان کے درمیان سے کار نکال لے گیا۔۔۔۔!

راستے بھر دونوں خاموش رہے۔ ناصر صرف افضل کو راستے کے بارے میں بتاتا رہا۔ اور پھر ایک فاصلہ طے کر کے وہ ڈاکٹر داور کی کوٹھی کے علاقے میں پہنچ گئے۔ ایک مناسب جگہ ناصر نے کار رکوائی اور دونوں نیچے اتر آئے۔

ناصر نے افضل کو کار نیچے اتار کر رکنے اور انتظار کرنے کے لیے کہا اور پھر وہ آگے بڑھ گئے۔ ڈاکٹر داور کی کوٹھی پر چوکیدار بھی موجود نہیں تھا۔ نہ جانے ان دنوں میں کیا ردوبدل ہو گئی تھی۔ بہرحال انہیں اندر داخل ہونے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

عمران ڈاکٹر داور کی کوٹھی کے ایک ایک چپے سے واقف تھا پہلے اس نے رہائشی علاقے کے ایک ایک کمرے کو چھان مارا۔ لیکن یہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ پھر عمران ناصر کو ساتھ لے کر تجربہ گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

تجربہ گاہ کے کچھ حصے روشن تھے۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ گئے چند لمحات کے بعد وہ اس بڑے ہال کے دروازے کے سامنے تھے جس میں ڈاکٹر داور کی تجربہ گاہ تھی۔ تمام قیمتی سامان وہیں موجود تھا۔

ہال کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ ناصر نے آہستہ سے دروازے کو دھکا دیا اور اندر کی روشنی باہر رینگ آئی۔ دوسرے لمحے وہ دونوں اندر تھے! اگر اندر کوئی موجود تھا تو اسے گمان بھی نہ ہو سکا تھا کہ اندر کوئی آیا ہے! بہرحال وہ خاموشی سے اس طویل ہال میں نظریں دوڑانے لگے اور پھر ان کی نگاہ ان

تین انسانوں پر پڑی۔ جو ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔

تین عجیب الخلقت انسان۔ ان کے سر اور ڈاڑھیوں کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ چہروں سے شیطنت ٹپکتی تھی۔ وہ کسی مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے!۔

"ان کی تعداد تین تھی۔!

عمران نے سرگوشی کی۔

"آیئے ان کے قریب چل کر گفتگو سنیں۔" ناصر نے کہا اور وہ دبے قدموں ان کے بالکل قریب پہنچ گئے۔

"بالکل غلط۔ میں اس خیال کی مخالفت کرتا ہوں۔ اس کی جزیرے والی تجربے گاہ سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ غور کرو وہ سائنسی طور پر اس قدر طاقتور ہے کہ ہمارے تمام حربے ناکام ہو رہے ہیں ایسی شکل میں اس کی تجربے گاہ میں کیا کچھ نہ ہو گا۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر تم اس پر قابو کیسے پاؤ گے؟"

"نہایت آسانی سے۔ ہمیں چند روز بالکل خاموش رہنا ہو گا۔ یہاں تک کہ وہ ہماری طرف سے غافل ہو جائے۔ اور پھر ہم اسے غافل پا کر پکڑ لیں نہایت خاموشی سے۔ پھر انہیں خاموشی سے ہی ختم کر دیں گے پھر ہمیں اس کی جگہ لینے سے کون روک سکتا ہے!

ترکیب تو بری نہیں ہے۔ لیکن تم اس چالاک آدمی سے یہ توقع کیوں رکھتے ہو کہ وہ ہماری طرف سے غافل ہو جائے گا۔!"

"نہ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ ہمیں تلاش تو کرے گا! ہم اس کا تعاقب کریں گے اور۔ ۔ ۔ ۔ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں یہ بھی درست ہے" تیسرے نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "بہرحال یہ بات طے ہے کہ چند روز خاموشی اختیار کی جائے"

"بالکل" تیسرے نے کہا اور ناصر مسکراتے ہوئے عمران کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن عمران تو کسی اور ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ ناصر کی نگاہ بھی اس کی طرف اٹھ گئی۔ اور وہ بھی حیران رہ گیا۔ ڈاکٹر داور اور ان کی نوجوان لڑکی شمی ایک پنجرے میں قید تھے۔

"اوہ۔ یہ بے چارے۔۔!"

"ایک کام کرو ناصر۔۔!" دفعتاً عمران نے سرگوشی کی۔

"تم یہاں سے رہائشی عمارت چلے جاؤ۔ وہاں پستول سے فائرنگ کرو تاکہ یہ لوگ صورت حال معلوم کرنے دوڑے چلے جائیں۔ میں ڈاکٹر داور سے ان کے بارے میں گفتگو کروں گا۔"

"اوکے!" ناصر نے کہا اور پھر وہ خاموشی سے تجربے گاہ کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ عمران ایک طرف دیوار سے لگ کر ناصر کے اقدام کا انتظار کرنے لگا اور پھر دفعتاً دھائیں دھائیں کی آواز سے رات کا سناٹا مجروح ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک دل دوز چیخ بھی سنائی دی تھی۔ چیخ کی آواز بھی ناصر کی تھی۔

عمران نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ تینوں خبیث شکل انسان اچھل کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"یہ کون ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔"

"پتہ نہیں۔"

"آؤ دیکھیں۔" اور وہ تینوں دوڑتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئے عمران نے ان کے نکل جانے کے بعد اطمینان سے مشین کے قریب پہنچ کر اس کا ہینڈل دبایا اور پنجرے کا دروازہ کھل گیا۔

ڈاکٹر داور اور شمی جو پنجرے کے اندر لیٹے ہوئے تھے اور شاید سوئے نہیں تھے۔ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ اسی وقت عمران ان کے قریب پہنچ گیا۔

"ہیلو ڈاکٹر داور۔ یہ میں ہوں۔ عمران۔ عمران نے کہا اور ڈاکٹر داور متحیر نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگے۔

گھبرائیے نہیں میں نظر نہ آنے والی شعاعوں میں روپوش ہوں۔ ناصر بھی میرے ساتھ ہے۔ اس نے رہائشی علاقے میں فائرنگ کر کے انہیں وہاں بلا لیا تاکہ میں آپ سے ان کے بارے میں معلوم کر سکوں

"عمران بیٹے۔ میں زبردست مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ یہ لیبارٹری میرے ملک کے عوام کے [illegible] بن گئی ہے۔ میں ایک طویل عرصے سے ان ذلیل شیطانوں کی قید میں ہوں۔

"فکر نہ کریں [illegible] ری زندگی تو ایسے شیطانوں سے نپٹنے میں بسر ہوئی ہے آپ جلدی سے مجھے ان کے بارے میں تفصیل بتائیں۔

"میں خود بھی زیادہ نہیں جانتا۔ یہ مجھے ایک جہاز پر ملے تھے ڈاکٹر داور نے تفصیل سے بتایا کہ کس طرح وہ یہ مصیبت اپنے گلے لگا لائے تھے! پھر انہوں نے کہا۔

"ان پر گولیوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا عمران — اس کے علاوہ یہ کمبخت کچھ کھاتے بھی نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ معدہ خشک کر چکے ہیں اور اب انہیں کسی غذا کی ضرورت نہیں ہے۔ عجیب غریب انسان ہیں میری سمجھ میں نہیں آسکے۔

"گولیاں اثر نہیں کرتیں"

عمران نے حیرت سے کہا۔

"بالکل نہیں۔ انہوں نے خاص طور پر اس لیے بتایا ہے کہ انہیں گرفتار کرنے کے لیے پستول بیکار ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نکل جائیں۔ چنانچہ ان پر بھرپور وار کرنا۔ اگر وہ نکل گئے تو دنیا کے لیے مستقل خطرہ بنے رہیں گے"

"آپ کے خیال میں ان کے جسموں پر کوئی چیز اثر انداز نہ ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے"

"صرف ایک ہی خیال ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ طویل عرصہ تک ایٹمی غذا استعمال کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا"

"آپ کی زندگی کو یہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہے"

"نہیں فی الحال تو نہیں ہے"

"تب پھر آپ ابھی ایک آدھ دن یہاں تجربہ گاہ سے کو نکال لیں گے"

عمران نے کہا اور باہر قدموں کی چاپ سن کر جلدی سے پیچھے اقدام کر

وہ تینوں واپس آ رہے تھے اور ان کے پیچھے ہی ناصر بھی ... ہوا اندر آ گیا

عمران نے اسے واپس چلنے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں تجربہ گاہ ... آ گئے۔

"کیوں گفتگو ہوئی۔ ناصر نے پوچھا اور عمران نے اسے تفصیل بتا دی ناصر کے چہرے پر غور و فکر کی لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"ممکن ہے عمران صاحب۔ بہرحال میں ڈاکٹر داور کے تجربے کو چیلنج نہیں کر سکتا ویسے یہ رائے ٹھیک ہے کہ انہیں پوری طرح شکنجے میں لینے کے انتظامات کیے بغیر کوئی قدم مناسب نہیں ہے۔"

"بالکل۔" عمران نے کہا اور ناصر نے گردن ہلائی۔ "خیر ان کی آزادی کے چند سانس اور باقی ہیں جو انہیں پورے کر لینے دیں۔ آج نہ سہی کل سہی، آئیے چلیں" اس نے کہا اور دونوں واپس چل پڑے۔

افضل ان کا انتظار کر رہا تھا۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سے ہی اسے پتہ چل سکا کہ وہ لوگ واپس آ گئے ہیں۔ اور پھر ناصر کی آواز پر اس نے کار اسٹارٹ کر کے واپس موڑ لی۔

عمران نے وہ رات [illegible] بنگلہ کاٹیج میں گزاری۔ دوسرے دن ناصر اس سے اجازت لے کر جزیرے [illegible] اس نے عمران سے کہا تھا کہ کام مکمل کرنے کے بعد وہ اس کی فلیٹ [illegible] جائے گا۔

عمران نہیں جانتا [illegible] رات تک واپس آئے گا لیکن اس دوران وہ فلیٹ سے باہر نہ نکلا [illegible] وقت کال بیل کی آواز سن کر اس نے سلیمان سے کہا کہ "ناصر کے علاوہ ہر شخص کو منع کر دے"۔ لیکن اندر آنے والا ناصر ہی تھا۔ وہ مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔

"خیریت! اتنی جلدی واپسی ۔۔۔؟" عمران نے حیرت سے کہا۔

"کام ہو گیا، پھر رکنے کی کیا ضرورت ہے۔ لباس تبدیل کر لیں، ہم چل رہے ہیں۔" ناصر نے کہا اور عمران حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"یار اتنے خطرناک شیطانوں کی گرفتاری کے لیے کچھ وقت تو ہونا چاہیئے تھا۔" اس نے کہا۔ ناصر نے کوئی جواب نہ دیا بہرحال عمران نے دوسرے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ فلیٹ سے نیچے اتر آئے۔ ناصر کی لمبی کار نیچے موجود تھی اور ڈرائیونگ سیٹ پر افضل بیٹھا ہوا تھا۔ ناصر کے اشارے پر کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر عمران چونک کر بولا۔

"یہ وین کیسی ہے!"

"گرے اینڈرسن کی ہے۔ ڈف اور دوسرے لوگ ہیں۔"

"اوہ کیا انتظامات ہیں تم نے؟" عمران نے پوچھا۔

اور جواب میں ناصر نے جیب سے ایک چھوٹا سا خوبصورت پستول نکال کر عمران کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"جو کچھ بھی ہے ان کے لیے کافی ہے۔" ناصر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کمال ہے عام پستول معلوم ہوتا ہے۔" عمران نے پستول کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہی اس کا کمال ہے۔ لیکن ٹریگر دبنے کے بعد کچھ اور ظہور ہوتا ہے آپ فکر

نہ کریں عمران صاحب، میں انہیں خارش زدہ کتوں کی طرح گھسیٹ کر لاؤں گا
ناصر نے کہا اور عمران ایک طویل سانس لے کر خاموش ہو گیا۔
کار دوڑتی رہی۔ اور پھر وہ ڈاکٹر داور کی کوٹھی سے تھوڑی دور پر رک گئے۔
"ہوشیار رہنا افضل ــــ!"
ناصر نے کہا۔ اور افضل نے گردن ہلا دی۔ ناصر عمران کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ کوٹھی کے بائیں سمت پہنچ کر عمران نے جیب سے وہ ٹارچ نما آلہ نکال لیا جس میں گم کرنے والی شعاعیں موجود تھیں۔ اور پھر وہ نظر نہ آنے والے سایوں کی طرح کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ رخ لیبارٹری کی طرف ہی تھا۔
حسب معمول وہ لیبارٹری میں موجود تھے۔ اسی میز پر بیٹھے ہوئے تھے اور لیبارٹری کی کئی مشینیں کام کر رہی تھیں۔ نہ جانے وہ کیا کر رہے تھے۔!
ناصر نے ایک ایک کر کے تمام مشینیں بند کر دیں اور وہ بری طرح چونک پڑے! ناصر عمران کو اشارہ کر کے ایک بڑی الماری کے پیچھے چلا گیا تھا۔ یہاں انہوں نے جسم سے شعاعی غلاف اتار دیا اور پستول ہاتھ میں لے کر باہر والوں کی گفتگو سننے لگے۔
"یہ کیا ہوا؟"
"پتہ نہیں۔"
"دیکھو۔ کیا بات ہے؟"
"تیسرے نے کہا اور ناصر عمران کو اشارہ کر کے الماری کے پیچھے سے نکل آیا ــــ!

"بات کچھ نہیں ہے دوستو۔ یہ مشینیں میں نے بند کر دی ہیں!" اس نے کہا اور وہ تینوں اچھل کر پلٹ پڑے۔

"تم کون ہو!"

آخر انہوں نے اپنی حیرت پر قابو پا کر سوال کیا۔

"ناصر ـــــ" ناصر نے جواب دیا اور ایک بار پھر وہ اچھل پڑے پھر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خوب ـــ!"

"خاصے ڈرامائی قسم کے آدمی ہو۔ بہر حال یہ بہت اچھی بات ہے بلکہ اس کے لیے ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم نے ہمیں ایک طویل تکلیف سے بچا لیا۔ ہمیں تمہاری سخت ضرورت تھی ناصر!"

"میں حاضر ہوں۔"

"کیا ہم دوستانہ ماحول میں گفتگو کر سکتے ہیں ـــ؟"

"ضرور ـــ"

"کیا معلوم کرنا چاہتے ہو ـــ؟"

"تم کون ہو اور کیا کرنا چاہتے ہو ـــ!"

"ہم اس دنیا کے ہمدرد ہیں اور پوری دنیا کے بے کس انسانوں کی بھلائی کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔"

"مثلاً" ناصر نے پوچھا۔

"مثلاً یہ کہ دنیا بھر کے انسانوں کو پرسکون زندگی دینے کے لیے

ان میں سے ایک بڑی آبادی کا خاتمہ، تاکہ بچ جانے والے باقی انسان سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔"

"کیا یہ دیوانگی نہیں ہے۔؟"

"ہر عمدہ خیال کو دیوانگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تم کوئی نئی بات کر رہے ہو!"

"کیا تم نے ان انسانوں کا انتخاب کر لیا ہے جنہیں تم زندہ رکھنا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ وہ انسان مغرب کے ان ممالک کے ہوں گے جو اپنی زندگی کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔ تم ایشیائی لوگ، تمہارے ہاں بھوک ہے، بے روزگاری ہے، بے انتہا مسائل ہیں تمہارے۔ تم انہیں حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے پھر تمہیں زندہ رہنے کا کیا حق ہے تم آپس میں ہی لڑ بھڑ کر ایک دوسرے کو تباہ کر رہے ہو، اگر تم کوئی مضبوط قوم ہوتے تو یہ زندگی تمہیں دی جاتی۔"

"فکر نہ کرو۔ مغربی کتو۔ ہم بہت جلد تمہارا دماغ درست کر دیں گے۔ تم تعصب کی پیداوار۔ اسی انداز میں سوچتے ہوئے جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ میں تمہارے ناپاک عزائم خاک میں ملانے آیا ہوں۔"

"پاگل ہو ناصر۔ ان کھلونوں سے تم ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہو۔ تم ابھی ان کھلونوں پہ ہی پھول رہے ہو۔ جب کہ ہم چاند تک کی سیر کر

آئے ہیں۔ اچھا۔ ان کھلونوں کو ہمارے اوپر آزما لو اور جب ناکام ہو جاؤ تو خود کو ہمارے حوالے کر دو۔" منظور ہے!"

"منظور ہے" ناصر نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول سے ایک سفید رنگ کی شعاع نکلی! اور سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے بوکھلا کر دونوں ہاتھ سامنے کر دیئے۔

لیکن پھر وہ اسی طرح کھڑا رہ گیا۔ اس کا جسم ساکت رہ گیا تھا۔ دوسرے دونوں شیطانوں نے اچھل کر بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن عمران کے پستول سے نکلنے والی شعاعوں نے ان دونوں کی بھی وہی حالت کی۔

ڈاکٹر داور نے خوشی کا نعرہ لگایا تھا۔ عمران نے پنجرے کا دروازہ کھولا اور ڈاکٹر داور دوڑ کر ناصر سے لپٹ گئے۔

آپ اپنی لیبارٹری سنبھالیں ڈاکٹر۔ میں ذرا ان کے دماغ درست کر دوں ناصر نے کہا اور پھر اس نے اپنی وہ بات بھی پوری کر دی جو اس نے عمران سے راستے میں کہی تھی۔

ان تینوں کو لیبارٹری سے باہر لے جانے کے لیے کسی کی ضرورت نہ پڑی، ناصر نے جیب سے ایک چوکور ڈبیہ نکال لی اور اس کا کوئی بٹن دباتے ہی اس سے کٹ کٹ کی آوازیں نکلنے لگیں وہ تینوں زمین پر گر پڑے اور پھر وہ اس طرح گھسٹنے لگے جیسے مقناطیس کسی چیز کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو اور بلاشک یہ مقناطیس ناصر کے ہاتھ میں تھا جس سے ان شعاعوں کا رابطہ تھا۔ جو انہیں ساکت کرنے کا باعث تھیں اس طرح ناصر انہیں گھسیٹتا ہوا لان تک لے آیا۔ شمی ڈاکٹر داور اور عمران پیچھے

پیچھے آ رہے تھے۔

ناصر کو دیکھ کر افضل نے کوٹھی کا دروازہ کھول دیا اور وین اندر آ گئی اور گرے اینڈ سنز کے آدمیوں نے انہیں اٹھا کر وین میں ڈالا اور پھر ناصر نے ڈاکٹر داور سے اجازت مانگی۔

"شام کی چائے بنڈونگ کافی شاپ میں آپ میرے ساتھ پئیں تفصیلی گفتگو اسی وقت ہو گی۔" اس نے ڈاکٹر داور کو دعوت دی جسے ڈاکٹر نے فوراً قبول کر لیا۔

بعض کیس ایسے دلچسپ اور عجیب و غریب ہوتے ہیں کہ انتظامیہ کی پوری مشنری اس سلسلہ میں بیکار ہو جاتی ہے۔ ان تین پاگل سائنس دانوں کے معاملے میں بھی انتظامیہ گھن چکر بن گئی تھی کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ چار بار انہیں بجلی کی کرسی پر بٹھایا گیا تھا۔ لیکن بے کار۔ برقی رو ان کے جسموں سے گزرتی اور بے کار ہو جاتی۔ حکومت کی اس بے بسی پر وہ بری طرح قہقہے لگاتے اور پوچھتے کہ ان کے لیے کیا کیا جائے گا۔

"اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ ایک خصوصی چیمبر میں ان کے جسموں میں برقی رو دوڑائی گئی۔ اس میں ناکام ہو کر ایک مہلک گیس بھی استعمال کی گئی لیکن جب چیمبر کھولا گیا تو وہ قہقہے لگاتے ہوئے باہر نکل آئے ان کے ہاتھوں اور پیروں

میں موٹی موٹی بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں ورنہ شاید وہ فرار ہونے کی کوشش بھی کرتے۔
ان کی گرفتاری کو پورے دو ماہ گذر چکے تھے اور ان دو ماہ میں آج انہیں پانچویں مرتبہ سزائے موت دینے کی کوشش کی گئی تھی لیکن آج بھی ناکامی ہی ہوئی۔
یہ دو ماہ اخبارات کی بکری کے سلسلہ میں بہت اچھے گذرے تھے۔ لوگ ان خطرناک انسانوں کے بارے میں سب کچھ جاننے کے لیے بے چین رہتے تھے۔
ناصر نے حکومت کو رپورٹ دی تھی کہ "وہ تینوں خطرناک پاگل ہیں۔ اعلیٰ درجے کے سائنس دان ہیں اس لیے ان کی سائنسی صلاحیتیں بھی اس پاگل پن میں شامل ہیں بلاشبہ اگر یہ زندہ رہے تو دنیا کے لیے خوفناک خطرہ بن جائیں گے۔" ناصر نے ان کے جسموں اور ذہنوں کا تجزیہ کر کے بتایا تھا کہ وہ ایک طویل عرصے تک ایٹمی شعاعیں جذب کرتے رہے ہیں انہیں کی وجہ سے وہ پاگل ہو گئے اور ان کی وجہ سے وہ صلاحیتیں بھی ان میں پیدا ہو گئیں جن سے گولی وغیرہ ان پر اثر نہیں کر سکتی۔" یہ ناصر کی رپورٹ تھی۔
اس رپورٹ کے شائع ہونے کے ایک ہفتے بعد ایک اور ملک کی حکومت نے ایک شخص کو عمران کے ملک بھیجا اس کا نام آرتھر کراوزے تھا۔ آرتھر کراوزے کی کہانی بھی عمران کے لیے کم دلچسپ نہ تھی۔ کراوزے نے بتایا کہ وہ نوادرات اور خزانوں کا شوقین تھا ایک کتاب میں تلوپطرہ کے خزانے کے بارے میں پڑھ کر وہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ اس خزانے کی تلاش میں چل پڑا پھر کراوزے نے بتایا کہ کس طرح اسے ایک غرقاب شدہ آبدوز ملی تھی جس کے کیبن میں تین افراد پڑے ہوئے تھے اور ایک مشین سے کچھ شعاعیں ان پر منعکس تھیں کراوزے نے بتایا کہ جوں مشین ٹوٹی وہ لوگ زندہ ہو گئے۔ اور پھر انہوں نے کراوزے

سمیت تمام لوگوں کو گردن دبا کر مار ڈالا۔ لیکن کراوزے صرف بے ہوش ہوا تھا جبکہ اس کے باقی ساتھی مر چکے تھے! ان لوگوں نے اسے بھی دوسری لاشوں کے ساتھ سمندر میں پھینک دیا اور — کراوزے ایک خوفناک جدوجہد کے بعد زندگی بچانے میں کامیاب ہو سکا۔

بہرحال کراوزے کی رپورٹ سے ان کی اصلیت کا بھی پتہ چل گیا۔ وہ مجرم سائنس دان تھے جن کی دنیا کے کئی ملکوں کو تلاش تھی۔ یہ تمام تفصیل اخبارات میں چھپ رہی تھی۔ کراوزے نے ان سائنس دانوں کو بھی شناخت کر لیا تھا۔

لیکن اب یہی مسئلہ تھا۔ آخر انہیں سزا کس طرح دی جائے دنیا بھر کے کئی ملکوں نے ان سائنسدانوں کو مانگا تھا کہ وہ خود انہیں سزا دے لیں گے لیکن حکومت کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھی اور آج بھی یہ لوگ ناکام رہے تھے۔ حکام کے چہرے پریشانی سے لٹک گئے تھے۔ اس ناکامی کے بعد وہ پھر سوچ بچار میں گم ہو گئے تھے۔ لیکن — اسی وقت ایک اردلی نے ایک آفیسر کے کان میں آ کر کچھ کہا۔ اور آفیسر چونک پڑا۔ "اوہ بلاؤ۔ کہاں ہے مسٹر ناصر!" اس نے جلدی سے کہا اور باہر چلا گیا۔ دروازے سے ناصر عمران اور گرے اینڈ سنز کے دو آدمی اندر داخل ہو گئے۔ گرے اینڈ سنز کے آدمیوں نے ایک وزنی بکس اٹھایا ہوا تھا۔ جسے انہوں نے ایک اسٹینڈ پر رکھ دیا۔

"میں نے سوچا ان کی آخری رسوم بھی میں ہی ادا کر دوں اس لیے آپ لوگوں کو زحمت دی ہے!" ناصر نے کہا۔

"اوہ مسٹر ناصر — یہ کمبخت گیس چیمبر میں بھی نہ مر سکے" ایک آفیسر نے کہا۔

"اجازت" ناصر نے پوچھا۔

"ضرور" آفیسر نے کہا۔ اور ناصر نے اسٹینڈ پر رکھے ہوئے کیمرے نما بکس کا ڈھکن کھول دیا۔ سامنے ہی ایک ایک چوڑا شیشہ نظر آ رہا تھا۔ ان چاروں کو ایک لائن میں کھڑا کر دیا گیا۔ اور ناصر نے کچھ بٹن دبا دیئے ایک پراسراری گونج پیدا ہو گئی اور — ان تینوں کے جسم ربڑ کی طرح پگھلنے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہاں جلی ہوئی ربڑ کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا —!

ختم شد

سلسلہ وار تجسس ـــــ صفحہ صفحہ اضافے

عمران سیریز

کے ناول

پُراسرار، سنسنی خیز، دلچسپ، قہقہہ انگیز

آپ ہر اعتبار سے

صدیوں کا بیٹا، نروان کی تلاش، طلوع، شطرنج ایسے کامیاب سلسلوں اور بے شمار جاسوسی ناولوں کے خالق

ایم۔ اے راحت

کی

عمران سیریز

- فرام مصر ود ڈیتھ
- مرڈر پلان
- بوڑھا شکاری
- خواب چرانے والے
- مصنوعی جزیرہ
- ربڑ کے انسان
- مادام زیورینا
- سمندری شیطان
- زیرو لینڈ کے باغی
- خلائی قزاق
- گنجا شاطر
- موت کا دیوتا

۱۰۰ سے زائد جاسوسی ناولوں کے خالق

ملک کے مایہ ناز

نوجوان جاسوسی ناول نگار

امتیاز علی

کی

عمران سیریز

- گنجی پستول والی
- کالی مونچھیں نیلی آنکھیں
- مُردہ چھپکلی
- نکٹی لاشیں
- میڈم میاؤں
- سلیمان بمقابلہ جوزف
- توپ والا
- [illegible]
- تیسرا آدمی [illegible]
- ولایتی شہزادی دیسی شہزادہ
- نقاب اُترتا ہے

ہر ماہ دو نئے ناول پیش کیے جائیں گے ◉ ہر ناول کی قیمت ۶/- روپے

علم و کتاب پبلشرز ـــــ [illegible] ـــــ [illegible]